© rasailojaraid.com

اسلام اور جدید سائنس نئے تناظر میں

عقلی موشگافیاں اور دینی مزاج

ظفر اقبال

یہ خیال کہ روشنی اور اندھیرے میں فرق صرف عقل کی بنیاد پر ممکن ہے۔ عقل سلیم اور نقل صحیح میں کوئی تضاد ممکن نہیں۔ عقل اگر خالص ہو تو وہ اسی نتیجے پر پہنچتی ہے جس نتیجے پر انسان نقل کے ذریعے پہنچتا ہے، پیغمبر ظاہر [انبیاو مرسلین] جس منزل پر لے جاتے ہیں پیغمبر باطن [عقل] بھی اسی منزل کی طرف رہنمائی کرتی ہے ـــــ درست نہیں۔ اگر عقل ہی خیر و شر کو جانچنے کا پیمانہ ہے، تو کیا عقل کو بھی جانچنے کا کوئی پیمانہ ہے؟ یا عقل کو جانچنے کا پیمانہ محض عقل ہے، اگر عقل کو جانچنے کا پیمانہ خود عقل ہی ہے تو پھر عقل کو جانچنے کی ضرورت ہی کیا ہے؟ بالفاظ دیگر اگر عقل کو جانچنے کا پیمانہ اس کے اندر، یعنی عقل، سے ہی نکلتا ہے، اگر وہ خود ہی پیمانہ ہے تو اسے پرکھنے کی کیا ضرورت ہے؟ یہ خیال کہ حسیات سے ورا عقل کچھ نہیں کر سکتی، یعنی وہ عقل کا دائرہ نہیں تو پھر حسیات سے متعلق امور میں اگر اختلاف ہو تو فیصلہ کون کرے گا؟ عقل یا وہ مابعد الطبیعیات جو عقل سے ماورا ہے۔

عقلیت کی تحریک ان خطوں نے اٹھی جہاں انبیا کی تعلیمات بالکل معدوم ہو گئیں، عقل کے طالب عقل کی حدود کو نظر انداز کر کے category mistake کرتے ہیں۔ عقل مقاصد کا تعین نہیں کر سکتی لہٰذا قرآن و سنت کے طے شدہ مقاصد کے لیے عقل جب کام کرتی ہے تو یہ سرگرمی اجماع و اجتہاد کی صورت میں ظہور کرتی ہے۔ عقل کے استعمال سے پیدا ہونے والے فطری اختلافات کا حل اجماع اور مسلک جمہور ہے۔ جس طرح بائبل اور قرآن میں تقابل بہ ظاہر عقل کے ذریعے ہوتا ہے، لیکن عملاً یہ تقابل نقل کے منہاج میں ہوگا، عقل یہاں ایک ذریعہ وسیلہ ہوگی جس طرح زبان بھی اظہار کا ایک ذریعہ ہے۔ قرآن و بائبل کا تقابل کرنے کے لیے پہلے قرآن پر ایمان لانا ہوگا پھر اس ایمان کی دلیل عقل کے ذریعے بیان ہوگی، یعنی پہلے ایمان ہے پھر عقل۔ عقل ایمان کے تابع ہے، ایمان عقل سے ماورا ہے اس کا تابع نہیں۔ جو چیز یا تصور انسان کی عقل سمجھنے سے قاصر رہے تو وہ شے خلاف عقل نہیں ماورائے عقل ہوتی ہے۔ خلاف عقل ہونا اور ماورائے عقل ہونا دو مختلف نقطہ ہائے نظر ہیں جن کے نتائج یکسر مختلف ہوتے ہیں،

☆اذا کان رب البیت بالدف مولعا .... فشیمة اهل البیت کلهم رقص ☆

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کسی شے اور وجود کا عقل سے ماورا ہونا اس بات کا ثبوت نہیں ہے کہ وہ شے وجود ہی نہیں رکھتی اسی لیے اصول یہ ہے کہ یقین شک سے زائل نہیں ہوتا۔ قرآن ہمیں عقل کے ذریعے نہیں، مشاہدے اور تجربے کے ذریعے نہیں، بلکہ نقل کے ذریعے ملا ہے، رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ قرآن کتاب اللہ ہے تو ہم نے تسلیم کیا کہ یہ اللہ کی کتاب ہے، اللہ تعالیٰ نے ہمیں قرآن کے بارے میں براہ راست کچھ نہیں بتایا اس ایمان کو بلاشبہ عقلی دلائل سے ثابت کیا جا سکتا ہے لیکن یہ نقل کا اثبات ہے بہ ذریعۂ عقل۔ عقل ہمارے ایمان کی دلیل مہیا کرتی ہے صرف دلیل سے ایمان مہیا نہیں ہوتا، دلیل عقل کی رہنمائی کر دیتی ہے لیکن قلب کی ہدایت یا قبولیت کے بغیر عقل کی رہنمائی کارآمد نہیں رہتی۔ عقل مان لیتی ہے دل نہیں مانتا، دلیل قلبی کے بغیر دلیل عقلی بے معنی ہے اسی لیے ایمان تعقل قلبی کا نام ہے۔ قرآن نے عالم و عاقل اور اہل فکر اس کو قرار دیا جو الحق اور الکتاب کو قبول کرے، جو اس کو رد کر دے وہ کم عقل، جاہل، ظالم اور شر الدواب ہے لہٰذا عقل کو پرکھنے کا پیمانہ قبولیتِ ایمان ہے جو عقل ایمان قبول نہ کرے وہ عقل نہیں جہل ہے۔ عقل کے استعمال کا لازمی نتیجہ ایمان ہے، عقل کا واحد نتیجہ عبدیت کا اقرار یعنی سجدہ ہے، عقل کی اصل شکل بندگی اور حالت سجدہ ہے۔ اسی لیے قیامت کے دن وہ لوگ سجدہ نہ کرسکیں گے جو دنیا میں نعمتِ سجدہ سے محروم ہے: يَوْمَ يُكْشَفُ عَنْ سَاقٍ وَّيُدْعَوْنَ اِلَى السُّجُوْدِ فَلَا يَسْتَطِيْعُوْنَ ○ خَاشِعَةً اَبْصَارُهُمْ تَرْهَقُهُمْ ذِلَّةٌ وَقَدْ كَانُوْا يُدْعَوْنَ اِلَى السُّجُوْدِ وَهُمْ سٰلِمُوْنَ [۴۳،۴۲:۶۸] دین میں قیاس اور اجتہاد اصلاً تدبر اور تفکر فی القلب ہے، عقل کلی، بصیرت تامہ کا نام ہے، محض خیال آرائی کا نام نہیں ہے۔ یہ محض کوئی تخلیقی، علمی، تحقیقی اور عقلی سرگرمی نہیں بلکہ روحانی عمل ہے جس کا مقصد ہر عہد میں روح کی حفاظت ہے۔ یونانی عقلیت اپنے دورِ زوال میں ارسطو کے ذریعے ابدیت دنیا کے نتیجے پر پہنچی لہٰذا یونان میں حقیقت کے علم کی سرگرمی نے آخر کار صرف اس دنیا کے علم کو ہی اصل علم قرار دینے میں کلیدی کردار ادا کیا، ارسطو کے زیر اثر مغربی فلسفہ آخر کار حقیقت کے سوال سے ہی دستبردار ہو گیا۔ ایک ہی عقل مختلف لوگ استعمال کرتے ہیں تو نتیجہ ایک نہیں نکلتا مختلف ہو جاتا ہے کیونکہ ہیوم کے مطابق عقل جذبات کی غلام ہے: Reason is the slave of Passion بالفاظ دیگر عقل نفس امارہ کی غلام ہے۔ عقل اگر کبھی کسی درست نتیجے پر پہنچ بھی جاتی ہے تب بھی اس درست نتیجے کو تسلیم کرنے سے قاصر رہتی ہے کیونکہ اس درست نتیجے کی تصدیق کا پیمانہ بھی عقل خود ہی ہے، یعنی عقل خود نتیجہ قائم کر کے اس نتیجے کو عقلی یا جذباتی بنیاد پر قبول کرنے سے انکار کر دیتی ہے، جیسا کہ حضرت ابراہیمؑ اور نمرود کے اہلکاروں کا مکالمہ قرآن میں بیان ہوا ہے کہ وہ حضرت ابراہیمؑ کی دلیل سے مطمئن ہو گئے کہ اگر یہ بت بول سکتے دیکھ نہیں سکتے تو تم ان کی عبادت کیوں کرتے ہو؟ مگر اگلے ہی لمحے وہ بولے کہ یہ ہمارے باپ دادا کے طریقے سے ہٹانا چاہتا ہے اگر عقل خود ہی مقصد ہے، مقاصد کا تعین خود ہی کرسکتی ہے تو پھر عقلی کوشش کے نتیجے میں جو بھی عمل سرزد ہو گا وہ عقلی ہی ہو گا۔ مسلّمہ اصول ہے کہ پیمانہ ہمیشہ باہر ہوتا ہے لیکن عقلیت کو پرکھنے کا پیمانہ

☆ اگر بنیا ع عزت ملک خود ... ان ادرخت از بیخ ☆

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

عقلیت ہی ہے، یعنی انسان کے نفس میں پنہاں ہے لہٰذا نفس ہی حقیقت مطلق ہے۔ عقلیت کو دوام نہیں وہ ہر لحظہ بدلتی ہے جب کہ پیمانہ مستقل ہوتا ہے۔ اگر کسی فیصلہ کی بنیاد صرف عقل ہے تو فرقان، منہاج، کسوٹی، عقل ہی ٹھہری لہٰذا عقل کبھی بھی ایمان سے دستبردار ہو سکتی، کہ عقل تو ارتقا کا نام ہے، یہ تغیر اور تنوع ہے۔

کانٹ کہتا ہے کہ [Believe in Reason] عقل اور دلیل پر ایمان لاؤ، لیکن سوال یہ ہے کہ خود عقل پر ایمان لانے کی کیا دلیل ہے؟ کانٹ کے مطابق دلیل یہ ہے کہ یہ آفاقی سچ ہے، مگر اس کا ثبوت کیا ہے؟ ظاہر ہے ایمان کی دلیل نہیں ہوتی عقل پر ایمان لاؤ کا سادہ ترجمہ یہ ہے کہ اپنے نفس اور اپنے آپ پر ایمان لاؤ، کیونکہ علم کا ماخذ تو عقل ہے جو انسان کے پاس ہے لہٰذا انسان خود اپنے آپ کی پرستش کرے، اپنی ہی عبادت کرے کسی دوسرے کی عبادت نہ کرے۔ کیوں کہ عبادت اس کی کی جاتی ہے جس کے پاس علم ہوتا ہے اور علم صرف انسان کے پاس ہے اسی لیے کانٹ کہتا ہے کہ انسان اپنے سوا ہر مقتدرہ [authority] کا انکار کر دے۔ روایتی، الہامی اور دینی تہذیبوں میں اسی لیے ایمان عقل کے تابع نہیں عقل ایمان کے تابع ہے، مغرب میں عقل ماخذ علم [Source of knowledge] ہے۔ اسلام میں عقل محض ذریعہ علم، ہتھیار اور اوزار ہے۔ عقل مقصد کا تعین نہیں کر سکتی، کسی متعین مقصد کے لیے وسیلے اور آلے، کا کام انجام دے سکتی ہے۔ عقل اپنے منہاج میں نتائج اخذ کرتی ہے اسی لیے اگر آپ جدیدیت کے منہاج میں کھڑے ہوں گے تو اس کے دعوے آپ کو عقلی لگیں گے لیکن اگر آپ مذہبی منہاج میں آجائیں تو مذہب کے عقائد، اعمال عقلی لگیں گے عقل محض زماں و مکاں سے ماورا نہیں ہو سکتی، عقل محض معروضی [Objective] نہیں ہو سکتی وہ موضوعی [Subjective] رہتی ہے۔ عقل زمان و مکان سے اٹھا سکتی ہے مگر اس ماورائیت پر دوام عطا نہیں کر سکتی، صرف عقل سے علم، الحق اور الکتاب نہیں ملتے بلکہ اس میں جذبات، وجدان، طلب، ہدایت، حواس، کوشش سب مل کر کوئی نتیجہ پیدا کرتے ہیں یہ مغرب کا المیہ ہے کہ اس نے ارسطو سے متاثر ہو کر انسان کو صرف عقلیت کے دائرے میں محصور و مقید اور محدود کر دیا۔ اگر محض عقل اور فطرت، ہدایت، فلاح، کامیابی کے لیے کافی ہوتے تو اللہ تعالیٰ کے حکم کے بعد کہ شجر ممنوعہ کے پاس مت جانا، حضرت آدم کبھی تشریف نہ لے جاتے ان کی فطرت بالکل محفوظ اور عقل ہر داغ سے خالی تھی وہ شر اور گناہ کے تصور سے ماورا، مصفّٰی و منزہ عقل و فطرت تھی، مگر جب ہدایت ربانی [نقل] کی موجودگی میں فطرت و عقل کو ذریعہ علم تصور کرنے اور اس پر اعتماد کرنے کی خطا سرزد ہوئی تو عقل دستگیری نہیں کر سکی صرف توبہ کام آئی اور حضرت آدم نے اللہ رب العزت سے کلمات توبہ سیکھ کر عقل و نفس کی غلطی کی معافی طلب کی: وَ قُلْنَا یٰۤاٰدَمُ اسْکُنْ اَنْتَ وَ زَوْجُکَ الْجَنَّۃَ وَ کُلَا مِنْهَا رَغَدًا حَیْثُ شِئْتُمَا وَ لَا تَقْرَبَا هٰذِهِ الشَّجَرَةَ فَتَكُوْنَا مِنَ الظّٰلِمِیْنَ ۝ فَاَزَلَّهُمَا الشَّیْطٰنُ عَنْهَا فَاَخْرَجَهُمَا مِمَّا كَانَا فِیْهِ وَ قُلْنَا اهْبِطُوْا بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ وَ لَكُمْ فِی الْاَرْضِ مُسْتَقَرٌّ وَّ مَتَاعٌ اِلٰى حِیْنٍ ۝ فَتَلَقّٰۤى اٰدَمُ مِنْ رَّبِّهٖ كَلِمٰتٍ فَتَابَ عَلَیْهِ اِنَّهٗ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِیْمُ [۲:۳۵ تا ۳۷] شیطان

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

نے عقلی استدلال پیش کیا تھا لافانی زندگی اور لافانی سلطنت ایک فانی انسان کے لیے۔

قرآن میں جہاں جہاں ایسے بیانات ہیں جو ذہن انسانی کی دسترس سے باہر ہیں ان کا مقصد سائنسی تحقیق و ترقی نہیں بلکہ اہل ایمان کے ایمان میں اور اہل کفر کے کفر میں اضافے کے لیے ہیں، ان بیانات کو سائنسی تحقیقات سے جوڑ کر خواہ مخواہ غلط سلط سائنسی نتائج کی میزان پر کسنا معذرت خواہانہ جدیدیت کے سوا کچھ نہیں ہے۔

جدیدیت پسند مسلم مفکرین کا مسئلہ یہ ہے کہ وہ عقلی دلائل سے بڑے بڑے مسائل کو حل کرنا چاہتے ہیں لیکن محدود عقل قدم قدم پر ٹھوکریں کھاتی ہے۔ عہد حاضر کے جدید ذہن کو، جو علمی موشگافیوں کا ماہر ہے، نت نئے سوالات سوجھتے ہیں یہ سوالات تحصیلِ علم، حصولِ معلومات، راہِ ہدایت کی طلب، علم میں اضافے اور استفسار کے لیے نہیں ہوتے بلکہ اعتراض، ہجو، تضحیک، تنقید محض اور وہ بھی بلا علم، اس کا مقصد دینی تعلیمات و افکار پر کسی نہ کسی طرح کوئی عقلی اعتراض وارد کرنا ہوتا ہے۔ عہد حاضر کے جہلا کے سوالات کا جواب دینے کا طریقہ وہ نہیں ہے جو عالم آن لائن کے معروف فنکار اور ان کے منتخب کردہ نو آموز جدید علماء اختیار کرتے ہیں اور دین کو رسوا کرنے کا کوئی موقع ہاتھ سے جانے نہیں دیتے۔ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہر سوال کا جواب دینا پاگل پن ہے جہلا کے سوالات کے جواب میں ہمہ وقت تیار رہنا اور جواب دینا خود جہالت ہے، وہ شخص عالم کہلانے کا مستحق ہی نہیں جو لا ادری کہنا نہیں جانتا یا کہتے ہوئے ہچکچاتا ہے علم بحر بے کراں ہے جو شخص ہر سوال کا جواب دینے کے لیے ہمہ وقت آمادہ ہے بلاشک وشبہہ جید جاہل ہے اور تمام ٹی وی پروگرام ان جید جہلاء کی جہالت سے منور ہیں اس ''منور اندھیرے'' سے نکلنے کے کئی طریقے ہیں مثلاً:

[۱] اگر عالم دین کو سوال کا جواب معلوم نہیں ہے تو واضح طور پر لا ادری کہہ دے یا کہہ دے کہ میں نہیں جانتا اللہ تعالیٰ جانتا ہے۔ حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے الفاظ میں ایسا کہنا نصف علم ہے، ایک شخص نے حضرت مالکؒ بن انس سے ایک مسئلہ پوچھا اور کہا کہ ان کی قوم نے آپ سے یہ مسئلہ پوچھنے کے لیے مجھے ایک ایسی جگہ سے بھیجا ہے جس کی مسافت یہاں سے چھ ماہ کی ہے آپ نے کہا جس نے بھیجا ہے اس سے جا کر کہہ دینا کہ میں نہیں جانتا، اس شخص نے شکوہ کیا کہ اگر آپ نہیں جانتے تو پھر اس مسئلے کو کون جانے گا فرمایا اسے وہ جانے گا؟ فرمایا اسے وہ جانے گا جسے اللہ تعالیٰ نے اس کا علم دیا ہے، ملائکہ کہتے ہیں: لا علم لنا الا ما علمتنا ہم اتنا ہی جانتے ہیں جتنا تو نے ہمیں سکھایا۔ علم کے کوہِ گراں کی عاجزی کا اندازہ کیجیے۔

امام مالکؒ سے اڑتالیس مسئلے پوچھے گئے جن میں سے تیس کے جواب میں آپ نے فرمایا: لا ادری [میں نہیں جانتا]۔ خالد بن خداش سے روایت ہے کہ انھوں نے بتایا میں چالیس مسائل پوچھنے کے لیے عراق سے امام مالک کے پاس آیا اور ان سے پوچھا تو صرف پانچ کے جوابات آپ نے دیے۔ امام

☆ ..... [illegible] ..... ☆

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مالکؒ اس راز کو جانتے تھے کہ جب عالم لا ادری نہ کہنے کی غلطی کرے تو وہ ہلاکت کی جگہ پہنچ جاتا ہے۔ امام مالکؒ سے روایت ہے ان سے عبداللہ بن یزید بن ہرمزؒ نے روایت کی کہ عالم کو چاہیے کہ اپنے ہم نشینوں کو لا ادری سکھائے تا کہ ان کے ہاتھ میں ایک ایسی اصل اور ٹھکانہ ہو جہاں وہ پناہ لیں، اور ان سے جب کوئی ایسی بات پوچھی جائے، جسے وہ نہیں جانتے تو لا ادری کہہ دیں۔ حضرت ابو درداءؓ سے صحیح روایت ہے کہ انھوں نے فرمایا لا ادری [میں نہیں جانتا] کہنا نصف علم ہے۔ اسی لیے امام غزالیؒ نے مناظرے کی مذمت کی ہے اور اس کے لیے کڑی شرائط رکھی ہیں کیونکہ مناظرے کا مروجہ ماحول اور اسلوب، الا ماشاءاللہ ، لا ادری کہنے کی صلاحیت سلب کر لیتا ہے یہ حق کے دروازے بند کرنے کا راستہ ہے۔

عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ کی روایت ہے کہ انھوں نے کہا کہ اس مسجد [مسجدِ نبوی] میں ایک سو بیس صحابہ کو میں نے پایا کہ ان سے کسی حدیث یا فتوے کے بارے میں پوچھا جاتا تو ان کی خواہش و کوشش ہوتی کہ کوئی دوسرا بھائی ہی اسے بتائے اور بالفاظ دیگر کسی سے کوئی مسئلہ پوچھا جاتا تو وہ دوسرے کے پاس بھیجتے اور وہ کسی دوسرے کے پاس۔ اس طرح سائل گھومتے ہوئے پھر اس شخص کے پاس پہنچ جاتا جس سے پہلی مرتبہ اس نے سوال کیا تھا۔[1]

[۲] اگر سائل صرف تنقید کے لیے بغیر علم کے سوال کر رہا ہے یا مقصود دین یا دینی روایت کی تحقیر، تضحیک اور توہین ہے یا اپنے علم کا غرہ، تو ایسے سائل کا براہ راست جواب دینے کے بجائے اس سے پوچھا جائے کہ آپ سائل ہیں یا ناقد؟ آپ استفسار کرنے آئے ہیں یا اعتراض وارد کرنے؟ مقصود حصول علم ہے یا مباحثہ؟ اگر سائل ہو تو سوال کے آداب سیکھ لو اور اس کے بعد سوال کرو، اگر معترض اور ناقد ہو تو تمھیں علوم دینیہ پر عبور ہونا چاہیے تا کہ اصولوں کی بنیاد پر اعتراض وارد کر سکو اور ہمارے سوالات کے جواب دے سکو۔ مثلاً ایک ناقد نے سوال کیا کہ قرآن میں شرابی کے لیے کوڑوں کی سزا بیان نہیں ہوئی لہٰذا میں فقہا کی سزا کو نہیں مانتا کیونکہ اصل ماخذ تو قرآن ہے؟ ایسے ناقد سے پوچھا جائے کہ آپ قرآن کو عربی میں سمجھ سکتے ہیں؟ چند آیات پڑھ کر اس کا امتحان لے لیا جائے کیا آپ نے تمام قرآن پڑھ لیا ہے؟ علم تفسیر حاصل کر لیا ہے؟ قرآن سے اخذ احکام کے اصول پڑھے ہیں؟ کن کن تفاسیر کا مطالعہ کیا ہے؟ اور عربی، انگریزی اور اردو میں کون سی تفاسیر اور احادیث کے مجموعے پڑھے ہیں؟ اس سے عربی قواعد کے کچھ اصول ماضی اور مضارع کی گردان وغیرہ پوچھ لی جائے۔ پھر پوچھا جائے کہ ایمان آپ نے کس ذریعے سے حاصل کیا کہ اصل ماخذ قرآن ہے سنت نہیں؟ اس ماخذ پر نقد و جرح کیجیے پھر اس سے اصول بحث طے کر لیجیے کہ احکامات و قوانین کا ماخذ محض قرآن ہے اور اس کے سوا کوئی دوسرا ماخذ نہیں تا کہ اسے ایک ہی موقف پر رکھ کر گفتگو کی جائے، اس سے پوچھا جائے کہ قرآن کو ماخذ کس کی سند پر مانا گیا ہے؟ کیا قرآن کے کلام اللہ ہونے کی شہادت خود اللہ نے تمھیں دی ہے یا یہ تمھیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے

---

[1] اتحاف السادۃ المتقین، جلد ا صفحات ۲۷۹-۲۸۰۔

☆ اذا یئس الانسان طال لسانہ...... کسور مغلوب یصول علی الکلب ☆

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ذریعے پہنچی ہے؟ تو پہلے تم رسول اللہ پر ایمان لائے تھے یا قرآن پر؟ تو رسول پر ایمان مقدم ہے یا قرآن پر؟ اس تقدیم وتاخیر کا حکم کس نے دیا ہے اللہ تعالیٰ نے یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے؟ اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دیا ہے تو اختلاف میں حکم کون ہوگا رسول اللہ یا کلام اللہ؟ یا دونوں؟ یا کلام اللہ بذریعہ رسول اللہ؟ اس کے بعد وہ تمام احکامات پوچھ لیے جائیں جو قرآن میں درج نہیں ہیں لیکن پوری امت کا جن پر اجماع ہے مثلاً اذان، نماز جنازہ، عورت کے ایام حیض میں روزوں کی قضاء وغیرہ وغیرہ۔

ایک سائل نہایت بدتمیزی سے ایک عالم پر حملہ آور ہوا، عالم نے اس کے اعتراضات، ہجو، بدتمیزی کے جواب میں کمال تحمل سے پوچھا آپ سائل ہیں یا واعظ یا ناقد؟ کہنے لگا اس کا کیا مطلب؟ انھوں نے کہا آپ کچھ پوچھنا چاہتے ہیں؟ یا مجھے کچھ بتانا چاہتے ہیں یا سنانا چاہتے ہیں یا تنقید کرنا چاہتے ہیں؟ اس نے کہا پوچھنا چاہتا ہوں، فرمایا اگر سائل ہو تو پہلے سوال کرنے کا ادب سیکھو! اس نے کہا میں ناقد ہوں کہا تو اعتراض کرنے کے لیے علم چاہیے، آپ کے اعتراض اسلام پر ہیں لہٰذا یہ بتائیے کہ کیا آپ نے دینی علوم سیکھے ہیں؟ کیونکہ اعتراض کے لیے علم ضروری ہے اور تقلید کے لیے جذبۂ اطاعت اور اپنے جہل کا ادراک اور اعتراف —— کہنے لگا میں دینی علوم سے واقف ہوں عالم نے چند سوال پوچھے جواب نہ دے سکا، انھوں نے کہا اچھا آپ اردو تو یقیناً جانتے ہوں گے کہنے لگا ظاہر ہے میں اردو بول رہا ہوں ویسے میں بہت عمدہ اردو جانتا ہوں کہا اگر تم اردو میں مہارت رکھتے ہو تو ہم تم سے بات کریں گے اور تمھارے اعتراضات ضرور سنیں گے کیونکہ زبان کا علم اہم ہوتا ہے اور زبان اظہار علم کے لیے ایک اہم ذریعہ ہے، کہنے لگا میرے ہمیشہ اردو میں اسّی نمبر آئے ہیں عالم نے کہا —— اردو الفاظ میں زیر زبر کا فرق بتاسکتے ہو؟ کہنے لگا ہاں! اسے شعر لکھ کر دیا کہ زیر زبر لگادو یا صحیح تلفظ سے شعر پڑھ دو:

گئے چار سَن ترا کم تھا سِن کہ لیے تھے سُن ترے گھونگرو
ہوا سینہ چھَن گیا دل بھی چھِن جونہی بولے چھُن ترے گھونگھرو

وہ زیر زبر کا فرق تلفظ سے ادا نہ کرسکا، عالم نے کہا اچھا لفظ تلفظ کو صحیح مخارج سے ادا کرو، وہ اس پر بھی قادر نہ تھا اس نے تل الگ کہا اور فظ الگ تشدید بھول گیا۔

عالم نے کہا بیٹے نہ علوم اسلامی جانتے ہو، نہ اردو جانتے ہو، نہ علم سے تعلق ہے اور تنقید ایسے کرتے ہو جیسے سب علوم سے واقف ہو یعنی بحر العلوم ہو۔ تم سے کیا بات کی جائے، سائل نے کہا آپ کچھ اور پوچھ لیں انشاء اللہ صحیح جواب دوں گا انھوں نے کہا اچھا مختلف الفاظ کا فرق بتاؤ جو بہ ظاہر ایک جیسے لگتے ہیں آواز میں بھی تلفظ میں بھی اور ایسے الفاظ جن کی آواز یکساں ہے یعنی سننے میں ایک جیسے لیکن تحریر میں الگ ہیں مثلاً بَر، بِر، بُر کا فرق بتاسکتے ہو؟ —— باز اور بعض، باد اور بعد، معاش اور ماش، خال اور خال، جال اور جعل، لعل اور لال، ابر اور عبر، مہر اور مُہر، بحر اور بہر، سحر اور سَحر، سطر اور ستر، خطرہ اور قطرہ، آج آنا اور آجانا، آم اور عام، بام اور بام، دام اور دام، نام اور نعم، حمل اور حمل، طور اور طور، بیر اور بَیر، پیر پَیر

☆ ......ھر کہ دست از جان بشوید...... ھر چہ دردل دارد بگوید ☆

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اور پیر، سِیر سَیر اور سَیر اور سِیر، تیر اور تِیر، درادر دُر، گُر گَر اور گر، چَر چُر اور چِر، سَر سِر اور سُر، تہہ اور طے، ماہ اور ماہ، بار اور بار، نال اور نعل، زیر زبر پیش کے ساتھ بال بعل اور بال، رم اور رَم، مرثیہ اور ہریسہ، حال اور ہال، ڈال اور ڈال، دِل دَل، مِل مَل، مت ومت، لُعاب اور لعَب، بَن بِن بُن اور بن، دھن اور دُھن، گِھن، گُھن اور گھن، بھن اور بھن، بین، بَین، بیّن اور بین، خط اور قط، قِسط اور خِست منشور اور منثور، جُوں اور جوں، جون اور جُون، گو اور گو، کِل کَل، کَل کُل، کلی کَلی کُلی کُلی، دَم دُم، بم بم، تار اور تار محل اور مخل، لو اور لَو، لُو، کے اور کئے، آر اور عار، ظن اور زن، بیت بیت اور بیعت۔ میت، معیت اور میّت، سَت اور سُت، بَد اور بد، بس وَس، تاخت اور تخت، غَل اور غُل، رجس اور رز جز، گن اور گن، تن اور تند، تان اور طعن، کن اور کُن، لعان اور لعن، جام اور جام، مطلع اور مطّلع، مقطّع اور مُقطع، جہل اور جُہل، عاصم اور آثم، ثال اور ٹال، گُل گَل اور گل، تَل تِل، اور تُل، بَل اور بل، بلا، بِلا، بلاّ، بَلاّ، گھوٹ اور گھونٹ، اوٹ اور اونٹ، گش اور کش، جَل اور جُل، دم اور دُم، کَل کُل اور، دیر اور دیر، ٹھِر اور ٹھَر، مَیل میل اور میل، ہول ہول، اَب اور اب، بیل بَیل، بانٹ، باٹ، ڈاٹ اور ڈانٹ، کَٹ اور کِٹ اور کُٹ، شِیر، اور شیر، ذم اور ضم، چیین اور چِین، انس اور اُنس، چیخ اور چق، شکر اور شُکر، قسم اور خصم، صرف اور سرف، بست اور بسط، ملت اور ملط، ملک مُلک مِلک اور مَلک، تَلک اور تلک، کشت اور گشت، حَسین اور حسین، خلا اور خلع، عین اور عین، طلاء، تلا، تلا، تُلا اور تلاّ، مِل اور مُل، قاصر اور خاسر، بسر اور بصر، نصر اور نثر، نخل اور نقل، قصر اور خسر، بطر اور بتر، عقل اور اقل، بَط اور بت، شور اور شور، صَر اور سَر، عصر اور اثر، چُہل اور چہل، صم، سم، ہم، کانچ اور کانچ، اُتر اور عطر، بھیڑ اور بھیٹر، بھڑ اور بھڑ ــــــــــــ

عالم نے اپنی گفتگو کا لب ولہجہ بالکل دھیما رکھتے ہوئے ناقد کی علمیت کی حقیقت چند سوالات میں واضح کردی اس کی جہالت کو واضح کرنے کے بعد دلائل کی ضرورت ہی نہیں رہی، پھر اسے ہدایت کی چونکہ تمھیں ان امور کا علم نہیں لہٰذا تم ناقد نہیں بن سکتے، البتہ مقلد بن سکتے ہو کیونکہ جو نہیں جانتے وہ کسی جاننے والے سے پوچھ لیں اور پوچھ کر اہل علم کی تقلید کریں، دنیا میں یہی طریقہ ہے اگر نقد کرنے کا شوق و ذوق ہے تو اس کے لیے دینی علوم کی تحصیل کیجیے پھر مباحثے کے لیے تشریف لائیے۔

[۴] اسی طرح ایک ناقد اور معترض نے سوال کیا کہ کیا خدا کوئی ایسا پتھر بنا سکتا ہے جسے خود نہ اٹھا سکے؟ اگر سوال کا جواب ہاں میں ہو تب اگر نفی میں ہو تب خدا کی شان ان اللہ علی کل شئی قدیر کو زک پہنچانا مقصود تھا، عالم نے سائل سے پوچھا کیا تم خدا کو مانتے ہو؟ اس نے کہا ہاں؟ پوچھا خدا کو تم نے کس ذریعے سے پہچانا؟ اور کس ذریعے سے مانا؟ اس نے کہا دین اسلام کے ذریعے؟ پوچھا تم دین اسلام کو مانتے ہو؟ اس نے کہا ہاں، پوچھا کتنے فی صد مانتے ہو؟ اور کیوں مانتے ہو؟ اور کس کے کہنے سے مانتے ہو؟ کہنے لگا سو فی صد مانتا ہوں، انھوں نے پوچھا اگر سو فی صد مانتے ہو تو یہ بتاؤ کہ ذات وصفات خداوندی میں تدبر و تفکر کی حدود تمھارے دین نے کیا متعین کی ہیں؟ اس نے کہا میں نہیں جانتا تو کہا پہلے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ان حدود کو جان لو پھر سوال کرنا۔ چند روز کے وقفے کے بعد اس نے رابطہ کیا اور عرض کیا کہ میں خدا کو نہیں مانتا سوال کے لیے سنجیدگی، لگن اور تڑپ شرط لازم ہے عالم نے جواب دیا جب تم خدا کو ہی نہیں مانتے تو تمھارا سوال محض ذہنی مشق ہے اور دین ذہنی ورزش کے لیے نہیں آیا لہٰذا سوال کا جواب نہیں دیا جا سکتا۔ اس قسم کے سوال عموماً منطق اور ذہنی مشقت کے ذریعے گھڑ لیے جاتے ہیں۔ جو لوگ بہ ظاہر خدا کا انکار کرتے ہیں اصلاً خدا کے منکر نہیں ہوتے۔ ایسے لوگوں سے بحث و مباحثے کے بجائے محبت کا رویہ اختیار کیا جانا چاہیے، ایسے افراد کے ساتھ دلائل کے بجائے اخلاق کے اعلیٰ ترین رویے سے پیش آنا ضروری ہے، ان کے اندر موجود خیر کو ابھارنا ضروری ہے، نہ کہ بحث حجت کر کے ان کے قلب میں موجود کفر کی کونپل کو تناور درخت میں تبدیل کر دیا جائے۔ ایسے لوگوں سے دلیل، حجت بازی اور قیل و قال میں کوئی فائدہ نہیں بلکہ سراسر نقصان ہے، ممکن ہے وہ اپنے کفر میں اتنا آگے بڑھ جائیں کہ دین سے منحرف ہونے کا اعلان کر دیں ایسے لوگوں کی خاطر داری اور تالیف قلب کے لیئے کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھنا چاہیے، یہ وہ لوگ ہیں جو دلائل کی تلوار سے نہیں محبت کی یلغار سے گھائل ہوتے ہیں۔ انھیں خبر کی نہیں نظر کی ضرورت ہے، ان کے ذہن اور دماغ کو نہیں قلب کو پکارنے اور ان کے دروازۂ دل پر دستک دینے کی ضرورت ہے۔ ایسے افراد کو نہایت تعظیم، اکرام اور خاطر تواضع کے بعد کبھی رات کے وقت سیر کراتے ہوئے قبرستان تک لے جایئے اس وادیٔ خاموش میں پہنچ کر بڑے بڑوں کا دل دہل کر نرم ہو جاتا ہے اور خدا یاد آجاتا ہے:

کہنے کو زندگی تھی بہت مختصر مگر
کچھ یوں بسر ہوئی کہ خدا یاد آگیا

ملحدین اور دین بے زار لوگوں سے بحث و مباحثے کے بجائے یہ رویہ سب سے زیادہ اہمیت کا حامل ہے، کسی بات کو کسی پر مسلط کرنا یا مرعوب و مغلوب کرنا یا عاجز و قاصر کر دینا کمال نہیں ہے، فرد کو لا جواب کرنے اور اس کے ذہن کو معطل کرنے کے بجائے اس کے قلب کو فتح کرنے کی حکمت ہمیشہ پیش نظر رہنی چاہیے، مناظرانہ دلیل سے فرد خاموش اور مغلوب ہو سکتا ہے مگر متاثر و مفتوح نہیں۔ دلیل کا مقصد شکست دینا نہیں قلب میں جذبۂ قبولیت پیدا کرنا ہے، قلب کو بدلنا اصل ہدف ہونا چاہیے۔ اس کے لیے امام مالکؒ جیسے تحمل، صبر، حوصلے اور عمل کی ضرورت ہے۔ امام مالک نے حدیث و افتاء کی بیش بہا خدمت کی اور مؤطا جیسی گرانقدر کتاب تالیف فرمائی۔ جس میں اہل حجاز کی قوی احادیث اور مستند اقوال صحابہ و فتاویٰ تابعین جمع کر دیے اور اس کے بہترین فقہی ابواب قائم کیے۔ مؤطا آپ کی چالیس سالہ جاں فشانیوں کا ثمرہ ہے۔ اسلام میں حدیث و فقہ کی یہ سب سے پہلی کتاب ہے۔ ستر معاصر علمائے حجاز نے بھی اس کی تائید و موافقت فرمائی۔ اس کے باوجود خلیفہ منصور نے جب اس کے چند نسخے کرا کے دوسرے شہروں اور ملکوں میں بھیجنے کا ارادہ کیا تا کہ لوگ اس فقہ پر عمل کریں اور پیدا شدہ اختلافات ختم ہو

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

جائیں تو سب سے پہلے آپ نے اس خیال کی مخالفت کی اور فرمایا ــــــ امیر المومنین! آپ ایسا نہ کریں۔لوگوں تک بہت سی باتیں اوراحادیث وروایات پہنچ چکی ہیں اور ہر جگہ کے لوگ ان میں سے کچھ کو اپنا چکے ہیں جس سے خود ہی اختلاف رونما ہو چکا ہے اور اب اس اقدام سے مزید اختلافات پیدا ہو جائیں گے،اس لیے انھوں نے اپنے لیے جو اختیار کرلیا ہے،اسی پر انھیں آپ چھوڑ دیں ــــــ خلیفہ منصور نے یہ سن کر کہا:ابوعبداللہ آپ کو اللہ اور توفیق بخشے۔

امام مالکؒ کتنے جلیل القدر تھے جو بغیر رضامندی کے اس کتاب پر دعوت عمل کا اقدام بھی نہیں کرنے دیتے جس میں انھوں نے اپنی سنی ہوئی سب سے اچھی احادیث اور اپنا محفوظ وقوی علم منتقل ومحفوظ کر دیا تھا جس پر اہل مدینہ اور بہت سے معاصر علماء کا بھی اتفاق تھا۔ لیکن اس کے باوجود آپ نے موطا کو ریاستی سطح پر ریاست کے ذریعے رائج نہیں کیا اسی طرح گفتگو اور مناظرے میں اپنی رائے مسلط کرنے کی ضرورت نہیں۔

[۵]ایک سائل نے ایک عالم سے پوچھا ''جو شخص بحالت احرام شکار کرے اس کے بارے میں آپ کا کیا فتویٰ ہے؟''[شرعاً حج ادا کرنے والے شخص کے لیے شکار کھیلنا منع ہے]اس نیک سیرت اور صاحب عمل عالم نے جواب دیا:''آپ کا سوال مبہم اور گمراہ کن ہے،آپ کو بالصراحت بتانا چاہیے تھا کہ آیا اس شخص نے خانہ کعبہ کی حدود میں شکار کیا یا اس سے باہر کیا؟ آیا وہ پڑھا لکھا تھا یا اَن پڑھ تھا؟ آیا وہ غلام تھا یا آزاد تھا؟ آیا وہ بالغ تھا یا نابالغ تھا؟ آیا اس نے یہ فعل پہلی دفعہ کیا یا پہلے بھی اس کا ارتکاب کر چکا تھا؟ آیا اس نے کسی پرندے کا یا کسی اور جاندار کا شکار کیا؟ آیا جس جاندار کا شکار کیا گیا وہ بڑا تھا یا چھوٹا تھا؟ آیا اس شخص نے دن میں شکار کیا یا رات میں کیا؟ آیا اس نے اپنے فعل سے توبہ کرلی یا اس کے ارتکاب پر بضد رہا؟ آیا اس نے چھپ چھپا کر شکار کیا یا کھلم کھلا کیا؟ اور آیا اس نے احرام عمرے کے لیے باندھا تھا یا حج کے لیے باندھا تھا؟ جب تک ان تمام امور کی وضاحت نہ کی جائے اس سوال کا کوئی جواب دینا ممکن نہیں''۔ ہر سوال کا جواب دینے کے بجائے علماء کرام سائل سے سوالات کا سلسلہ شروع کر دیں تو بہت سے جہلاء سوال کی جرات سے محروم ہو جائیں گے اور ان کا جہل واضح ہو جائیگا، جو اپنی چرب زبانی اور طلاقت لسانی سے علماء کو جاہل ثابت کرنا چاہتے ہیں۔ دینی سوالات کا جواب دینے اور پرچون کی پڑیا باندھنے میں بہت فرق ہے، عالم آن لائن [ALIM on Line] جیسے پروگرام میں ''علماء'' کی عجلت بتاتی ہے کہ وہ گاہک کو اپنی دکان سے خالی ہاتھ نہ جانے دیں گے اس کے ہاتھ میں کوئی نہ کوئی پڑیا تھما دیں گے یہی حال عصر حاضر میں ہونے والے ہمارے مکالموں، مناظروں مباحثوں اور ٹاک شوز کا ہے۔

عقلی بنیادوں پر موشگافیاں اور سوالات اٹھاتے رہنا کوئی کمال نہیں قرآن حکیم میں کفار کے ایسے سوالات موجود ہیں جو سننے والے کو پہلی مرتبہ متاثر کرتے ہیں مگر غور کرنے پر سوال کرنے والے کی خباثت نفس اور دنائت واضح ہو جاتی ہے مثلاً کفار مشرکین اور یہود کا قرآن کے اس اصرار پر کہ بھوکوں کو

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کھانا کھلاؤ اور اگر نہ کھلاؤ تو کم از کم دوسروں کو کھانا کھلانے کی ترغیب تو دو۔ ان کا مشترکہ جواب، دوسرے معنوں میں استفہامیہ جواب، یہ تھا کہ اگر خدا چاہتا تو بھوکوں کو خود کھلا دیتا: لَقَدْ سَمِعَ اللّٰهُ قَوْلَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ فَقِيْرٌ وَّ نَحْنُ اَغْنِيَآءُ ☆م سَنَكْتُبُ مَا قَالُوْا وَ قَتْلَهُمُ الْاَنْۢبِيَآءَ بِغَيْرِ حَقٍّ وَّ نَقُوْلُ ذُوْقُوْا عَذَابَ الْحَرِيْقِ [۳:۱۸۱] کہتے ہیں اللہ فقیر ہے ہم غنی ہیں۔ جن کو خدا خود دنیا میں بھوکا رکھنا چاہے ان کو کھانا کھلانے کے لیے ہم سے اصرار کیوں؟ کیا خدا کے خزانے میں کسی شے کی کمی ہے؟ اس طرح کفار مردار کھانا چاہتے تھے انھیں دکھ ہوتا تھا کہ جانور مر گیا اور مال ضائع ہو گیا اس مرے ہوئے کو کیوں نہ کھایا جائے اس خواہش کے لیے انھوں نے عقلی سوال تراشا جسے انسان ذبح اور قتل کردے مار دے وہ حلال اور جسے خدا خود مار دے وہ حرام یہ تو بڑی عجیب بات ہے! ارسطو کہتا ہے کہ میں اس طرف جاؤں گا جدھر مجھے دلیل لے جائے گی لیکن یہ احمقانہ بات ہے ایک بندۂ مومن اس طرف جاتا ہے جدھر اس کا خدا لے جانا چاہتا ہے۔ اصل سوال یہ نہیں کہ میری عقل کی کیا مرضی ہے بلکہ اصل سوال یہ ہے کہ خدا کی مرضی کیا ہے؟ اس کا حکم کیا ہے؟ اس کی منشاء کیا ہے؟ اس کی رضا کیا ہے؟ وہ جو چاہے گا وہ ہوگا جدھر وہ لے جائے گا ادھر ہم جائیں گے یعنی اگر عقل اللہ تعالیٰ کی رضا کو عقلی طور پر تسلیم نہ کرے یا رضائے الٰہی کی پیروی سے انکار کردے تو وہ عقل نہیں جہل ہے۔ تقلید رضائے الٰہی کے بغیر عقل بے کار ہے۔ بنیادی سوال یہ ہے کہ عقل پیمانہ ہے یا عقل کو پرکھنے جانچنے اور دیکھنے کا بھی کوئی پیمانہ ہے؟ یہ پیمانہ نفس کے اندر یعنی عقل ہی سے نکلتا ہے یا باہر، خارجی دنیا سے آتا ہے؟ یہ ہے مسئلے کی اصل کنجی۔ دنیا کی ستر ہ تہذیبوں میں پیمانہ ہمیشہ باہر سے آتا تھا۔ ہر قدر، معیار اور اصول کسی بیرونی پیمانے پر جانچا جاتا تھا اور یہ پیمانہ یا روایت تھی، یا وحی الٰہی، یا دیو مالا یا اساطیر، ہر تہذیب میں عقل بھی ہوتی تھی عدل بھی ہوتا تھا، مگر عقل اور عدل خود پیمانہ نہیں ہوتے تھے انھیں کسی اور پیمانے پر جانچا اور پرکھا جاتا تھا۔ عقل اور عدل بذاتہٖ حق، معیار اور اصول نہیں ہیں ان کو دیکھنے، پرکھنے جانچنے کا پیمانہ ان کے اندر نہیں ان کے باہر ہوتا ہے۔ یہ پیمانہ اس تہذیب یا مذہب کی علمیات، ایمانیات اور مابعد الطبیعیات سے نکلتا ہے۔ اسلامی تہذیب کے خوارج، اہل تشیع، معتزلہ، اہل قرآن، اور عقلیین سے بنیادی غلطی یہ ہوئی کہ وہ عقل اور عدل کی اصطلاحات کو ہی پیمانہ حق وصداقت سمجھ بیٹھے اور اس بنیاد پر عہد حاضر میں اہل قرآن نے سورۃ بنی اسرائیل کے احکام عشرہ کی روشنی میں عالمی متفقہ اخلاقیات کا منشور خود تخلیق فرما لیا اور یہ تصور کرلیا کہ پوری دنیا احکام عشرہ سے متفق ہے۔ انھیں یہ معلوم نہ ہوسکا کہ دنیا احکام عشرہ پر نہیں بنیادی حقوق کے منشور [Human Right Declaration] پر جبراً متفق کی گئی ہے۔ حق خیر اور سچائی کی واحد مسلط کردہ دستاویز صرف اور صرف یہی منشور ہے۔ اس منشور کے ہوتے ہوئے احکام عشرہ کی اخلاقیات کا روبہ عمل ہونا محال ہو جاتا ہے۔ تین سو سال کی تاریخ یہی بتاتی ہے۔ اصل سوال یہ ہے کہ عقل مند کون ہے؟ یہ بات عقل بتائے گی یا کوئی خارجی بیرونی ذریعۂ علم [external knowledge]، مثلاً ارسطو کو دنیا نے

☆ الاعمال بخواتیمھا ... شامنامۂ اخر شرشت

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

معلم اول تسلیم کیا ہے۔ تو ارسطو کے عقل مند ہونے کا فیصلہ عقل انسانی کرے گی یا کوئی الہامی متن کرے گا؟ یہ ممکن ہے کہ عقل اگر تاریخ، تہذیب، خواہشات، خدشات اور زمان ومکان سے ماورا ہو کر معروضی طور پر کام کرے تو وہ کسی صداقت، خیر اور حق کو پالے لیکن اس بات کی تصدیق کون کرے گا کہ عقل نے جس صداقت، خیر اور حق کو پالیا ہے وہ ٹھیک ہے، اگر اس معروضی عقل کو انسان کی عقل یا اس کے نفس کے سپرد کر دیا گیا تو یہ عقل پھر معروضی نہیں موضوعی ہو جائے گی اور اس کے پرکھنے جانچنے کا پیمانہ خود عقل ونفس ہی ہوں گے لہٰذا غلط ہی ہوں گے مشرکین مکہ اور اہل کتاب نے عقل مشاہدے اور تجربے کے ذریعے رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کو پہچان لیا تھا کہ آپ اللہ کے رسول ہیں مگر ان کا اعتراض صرف یہ تھا کہ قرآن مکہ کے دو بڑے آدمیوں پر کیوں نازل نہ ہوا، رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم پر اس کا نزول کیوں ہوا؟ اہل کتاب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کو اس طرح پہچانتے تھے جس طرح اپنے بیٹوں کو جانتے ہیں قبلہ اول کعبہ کو بھی کفار اپنے بیٹے کی طرح پہچانتے تھے لیکن ان کے قلب نے عقل کے فیصلے کو قبول نہ کیا، تعقل قلبی سے وہ محروم رہے۔ عقل ہر تاریخ، تہذیب، مذہب، معاشرت میں ہوتی ہے لیکن وہ اپنے منہاج کے مطابق عمل کرتی ہے اور اس منہاج علم میں اس عقل کا ہر فیصلہ عقلی معلوم ہوتا ہے، منہاج علم بدل جانے سے وہی عقلی فیصلہ دوسرے منہاج علم میں جہالت قرار پاتا ہے۔ یورپ وامریکہ میں اگر کوئی عورت بے لباس یا برائے نام لباس میں مردوں کی محفل میں آجائے تو وہاں کی عقلیت کے لیے یہ معمول کی بات ہوگی، عقل کا تقاضا ہوگی کیونکہ مغرب کی عقل اپنی علمیت، آزادی اور مساوات کے عطر سے کشید کرتی ہے لہٰذا مساوات وآزادی کا عقلی تقاضہ یہی ہے۔ اس کے برعکس عالم اسلام یا روایتی دینی تہذیبوں میں کوئی عورت اس لباس میں آجائے تو وہ ذلت ورسوائی اور لعنت وملامت کی حق دار ٹھہرے گی، اس کا معاشرتی مقاطعہ ہوگا ان تہذیبوں کا خبیث سے خبیث آدمی بھی اس رویے کی حمایت نہیں کرے گا کیونکہ ان روایتی معاشروں اور مذہبی تہذیبوں میں آزادی اور مساوات قدر بذاتہ معیار نہیں ہیں معیار اور قدر وحی الٰہی یا تاریخی روایات، اساطیر اور دیو مالا ہیں لہٰذا اس خارجی ذریعۂ علم اور منہاج کی روشنی میں یہ رویہ خدا کی مرضی کے خلاف ہے لہٰذا خالص غیر عقلی رویہ ہے جسے قبول نہیں کیا جاسکتا۔ انسان کو آزادی اس بات کی دی گئی ہے کہ وہ خدا کی اطاعت کرے ان تہذیبوں میں کپڑے پہننے کی آزادی ہے کپڑے اتارنے کی آزادی نہیں ہے۔ کپڑا کتنا پہنا جائے؟ ستر کہاں سے کہاں تک ہو؟ یہ تہذیبیں اپنی علمیت سے اصول اخذ کر کے ستر کا تعین کرتی ہیں جب بھی اخلاقیات کی سرحدیں شروع ہوں گی آزادی کی حدود متعین ہو جائے گی، وہ ایک خاص پیمانے، جامے اور حصار میں سمٹ جائے گی، اسے بے کراں، بے پناہ، اصول، قدر، حق کے طور پر قبول نہیں کیا جائے گا۔ وہ کسی اصول حق قدر سے متعین ہوگی اس کے تابع ہوگی اس کی روشنی میں قبول اور رد کی جائے گی۔ مغرب کی عقلیت اور منہاج علم میں لذت کا تصور آزادی میں مسلسل اضافے سے مشروط ہے جس کا انحصار زیادہ سے زیادہ سرمایے کی فراہمی پر ہے۔ جس کے پاس

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

زیادہ سرمایہ ہے وہ زیادہ آزاد ہے کیونکہ وہ زیادہ مادی لذت حاصل کرسکتا ہے۔ انسان مغربی معاشیات اور فلسفے میں ایک لذت پرست جانور ہے، اس کا مقصد مسلسل اور مستقل لذتوں میں اضافہ کرتے رہنا ہے لہٰذا لذتوں کی خاطر مرد عورت جنسی اعمال میں مصروف ہوتے ہیں مگر نکاح نہیں کرتے خاندان نہیں بناتے، بچے نہیں پیدا کرتے، اولاد اور ماں باپ کو ساتھ نہیں رکھتے کہ یہ سب چیزیں انسانی لذتوں میں اضافہ نہیں ہونے دیتیں، کمی کر دیتی ہیں اور مسلسل ذمہ داریوں میں اضافہ کرتی ہیں۔ عورت اگر بچہ پیدا کرے تو درد زہ برداشت کرنا پڑے گا، بوائے فرینڈز، آوارگی، سیاحت سب ترک کرنا ہوگی۔ یہ کیسے ممکن ہے لہٰذا مغرب میں عدل اور عقل کا تقاضا لذت کا یہی تصور ہے ان کا تصور عدل و عقل لذت پرستی سے نکلتا ہے، اس کے برعکس روایتی تہذیبوں اور مذہبی معاشروں میں عدل اور عقل کا تقاضہ لذت سے نہیں حقیقت [Reality] سے متعین ہوتا ہے، یعنی علیت مابعد الطبیعیات اور تصورات حقیقت سے برآمد ہوتی ہے، یہ تصورات ہی عقل اور عدل کا دائرہ طے کرتے ہیں، ان تہذیبوں میں زندگی اطاعت و عبادت رب سے عبارت تھی اسے روحانی لذت نفس مطمئنہ کہا جاسکتا ہے۔ ماں باپ کی خدمت اولاد کو پالنا، بچے پیدا کرنا، بچوں کی پرورش ونگہداشت عورت کے لیے آزار، مصیبت، آفت، شامت اعمال، ہلاکت اور بربادی نہیں ایک دینی فریضہ ایک غیر معمولی ذمہ داری، ایک روحانی اور نورانی کام اور نفس مطمئنہ کے حصول کے مختلف ذرائع ہیں۔ یہ مغرب اور روایتی مذہبی تہذیبوں کی عقلیت اور عدل کے تصورات کا وہ نتیجہ ہے جو دو مختلف مابعد الطبیعیات سے برآمد ہوتی ہیں۔

اسلامی تہذیب وتاریخ کے تصور عقل وتصور عدل کے تحت مرد کا ایک سے زیادہ شادی کرنا، جائز کام ہے لیکن عیسائیت اور امریکہ اور یورپ کے تصور عدل و تصور عقل میں ایسا کرنا درست نہیں ہے۔ مغرب میں عورت عورت سے مرد مرد سے شادی کرسکتے ہیں کیونکہ حقوق انسانی کے منشور [Human Right Declaration] کے تحت دونوں انسان [Human] آزاد [Free]، برابر [Equal] ہیں اور اس منشور کی ایک شق [Right of Association] کے تحت کوئی جنس کسی بھی ہم جنس سے تعلق رکھ سکتا ہے لہٰذا مغرب کی عدالتوں میں ہم جنسوں کی شادیوں کو قانونی تحفظ دے دیا گیا ہے، جو اس فیصلے کو نہ مانے وہ غیر روادار [non tolerant] انسان تصور کیا جاتا ہے۔ عیسائیت چار شادیوں کی اجازت نہیں دیتی مغرب چار سو داشتاؤں سے بالرضا تعلقات رکھنے پر کوئی اعتراض نہیں کرتا زنا بالرضا مغرب میں حلال ہے۔ مذہبی تہذیبوں میں حرام ہے کیونکہ زنا شرف انسانیت یعنی عبودیت کے خلاف کام ہے اور خدا کی رضا کے برعکس رویہ ہے لہٰذا عدل و عقل کا تقاضا یہ ہے کہ زانی کو سزا دی جائے، روایتی اور مذہبی تہذیبوں میں نکاح نہ کرنے پر کوئی سزا نہیں ہے اور کسی کی شادی جبراً نہیں کرائی جاتی، لیکن کسی کو زنا کرنے کی اجازت نہیں دی جاسکتی خواہ وہ کنوارا ہو یا شادی شدہ ہو، ان تہذیبوں کے تصور عدل و عقل کے مطابق شادی کرنے کی اجازت ہے زنا کرنے کی اجازت کسی حالت

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

میں نہیں ہے۔ امریکہ اور دیگر مغربی ممالک میں بالرضا زنا کی اجازت ہے اگر جبراً کوئی زنا کرے تو زانی کے خلاف کارروائی صرف اس وقت ہوگی جب مقدمہ درج ہوگا۔ یہ مقدمہ بھی فریقین میں قابل صلح ہے اگر فریقین راضی ہوں تو سزا نہیں ملے گی، مذہبی تہذیبوں میں خدا کی رضا کے خلاف جرم کا ارتکاب یعنی گناہ کبیرہ ناقابل معافی جرم تھا خدا کی سزا کوئی انسان معاف نہیں کر سکتا، لیکن مغرب میں ریاست اس مقدمے میں فریق نہیں ہوگی یہ دو افراد کا ذاتی معاملہ ہے جب کہ مذہبی و روایتی معاشروں میں یہ مذہبی جرم ہے اور خدا کی رضا کے خلاف ہے۔ یہ تذلیل عبدیت ہے اور مالک الملک کی ناراضگی کو دعوت دینے کا عمل ہے لہٰذا ریاست خود اس میں مدعی ہوگی، مغرب میں تو اگر کوئی شوہر اپنی بیوی کے نہ چاہنے کے باوجود اس سے مواصلت کرلے تو اسے سنگین جرم سمجھا جاتا ہے اور اس جرم [marital rape] کے مجرم یعنی عورت کے قانونی شوہر کو پانچ سال قید کی سزا دی جاسکتی ہے، لیکن بالرضا زنا کوئی جرم نہیں یہ عمل مغرب کی تہذیب تاریخ و علمیت میں آزادی کی وسعتوں کو چھو لینے والا آسمان کا ایک نورانی ٹکڑا ہے۔ یہ مغرب کی رواداری [tolerance] ہے کہ شوہر اپنی بیوی سے اس کی رضا کے خلاف اپنے نفس کے تقاضے کو پورا کرلے تو وہ مجرم ہے وہاں رواداری کا یہی مطلب ہے کیونکہ شوہر اور بیوی دو الگ وجود [separate entities] ہیں یہ فاعل خود مختار [self autonomus] ہیں لہٰذا دوسرے کی آزادی [Freedom] میں مداخلت جرم ہے کیونکہ مغرب میں آزادی اصل قدر اور حق [Real Value & Truth] ہے تمام اقدار [Values] اسی ایک قدر پر جانچی پرکھی، ناپی، تولی اور برتی جاتی ہے لہٰذا آزادی کی قدر [Value of Freedom] کو پامال کرنا مغرب میں سنگین جرم ہے۔ اسلامی تہذیب میں اصل قدر [Real Value] خدا کی رضا ہے [Will of the God]۔ خدا کی رضا، اس کی معرفت اور اس کی محبت کا حصول کیسے ممکن ہے؟ یہ علمیت اسلامی علمیات [Epistemology] بتاتی ہے جو سنت رسالت مآبؐ کے ذریعے امت تک منتقل ہوئی اور تعامل امت اور اجماع امت اس سنت کی حفاظت کرتا ہے لہٰذا اسلامی تہذیب اور مذہبی تہذیبوں میں انسان اپنی آزادی کو خدا کے سامنے رکھ دیتا ہے اور اس سے دستبردار ہو کر ارادۂ خداوندی کو اپنا ارادہ بنالیتا ہے۔ اب قدر، پیمانہ اور منہاج قرآن وسنت ہو جاتے ہیں اس قدر [Value] کے خلاف جہاں جہاں کوئی کام ہوگا وہاں وہاں آپ کو ہدایت اور سزا دی جاسکتی ہے۔ آپ کے نفس کے مطالبے آپ کی خواہشات خدا کی مرضی کے تابع ہوں گے اللہ تعالیٰ کی غلامی شرف انسانیت ہے۔ مغرب میں یہ تصور تذلیل انسانی ہے کہ اصل خدا انسان [Human] کسی اور خدا کے لیے دستبردار ہو جائے اور کسی خارجی ذریعے [external authority] کو علم، حق، خیر، ہدایت، روشنی اور رہنمائی کا ذریعہ تصور کرے۔ کانٹ کا اہم ترین مضمون What is Enlightenment? اس اجمال کی فلسفیانہ تفصیل مہیا کرتا ہے۔

اسلامی تصور عدل و عقل کے مطابق سات سال سے پہلے بچے پر نماز فرض نہیں، سات سال

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کے بعد نماز نہ پڑھنے پر بچے کو سزا دی جاسکتی ہے لیکن مغرب میں بچے کے لیے سکیولر تعلیم فرض ہے اگر ماں باپ بچے کو اسکول نہ بھیجیں تو وہ جیل بھیجے جاسکتے ہیں۔ اسلام میں نشوز پر آمادہ عورت کو شوہر سزا دے سکتا ہے۔ مغرب میں اگر آپ نے اس اسلامی حکم پر عمل کیا تو جیل میں ہوں گے۔ شوہر سے سرکشی، بغاوت، گھر کے سکون اور نظم و نسق میں خلل پیدا کرنا مغرب کے فلسفے میں کوئی جرم نہیں۔ اگر آپ نے اپنے بچے پر نماز پڑھنے کے لیے سختی کی تو دوسرے کی آزادی میں مداخلت کے جرم میں آپ کو سزا بھگتنا ہوگی، اگر آپ نے اپنی بیٹی کے کسی نامحرم لڑکے کے ساتھ جانے اور گھومنے کی آزادی سلب کرنے کی کوشش کی تو آپ کی آزادی اسی لمحے سلب کرلی جائے گی۔ اگر بچے پر آپ نے غلطی سے ہاتھ اٹھالیا تو آپ جیل کی سلاخوں کے پیچھے ہوں گے۔ یہ مثالیں اس لیے دی گئی ہیں کہ ہمارے اہل قرآن دوست جان لیں کہ عقل اور عدل خود معیار [Standard]، حق [Truth]، اصول [Principle]، منہاج [Paradigm] پیمانہ [Parameter] قدر [Value] خیر [good] کسوٹی اور میزان نہیں ہیں یہ کسی اور معیار پر پرکھے جاتے ہیں، مغرب میں اس کا معیار بنیادی انسانی حقوق کا منشور، عیسائیت میں انجیل اور عالم اسلام میں قرآن حکیم وسنت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہے ان تین مختلف مابعد الطبیعیات اور علوم ذرائع علم سے تین مختلف قسم کے تصور عدل و عقل برآمد ہوتے ہیں اور تینوں کے نتائج، طریقے، ایک دوسرے سے بالکل مختلف ہیں۔

جدیدیت ماڈرن ازم کا فیصلہ ہے کہ جدیدیت پسند، ماڈرن مین، Enlightened آدمی وہ ہے جو کسی خارجی ذریعۂ علم پر بھروسا نہیں کرتا اپنے نفس اور عقل کو ذریعہ علم سمجھتا ہے اپنے سے باہر ہر ذریعۂ علم کا انکار کرتا ہے خواہ وہ وحی ہو، روایت ہو، اساطیر یا تاریخی آثار ہوں، یہ جدیدیت پسند انسان کی خاص علامات ہیں۔ اسی لیے جدیدیت کا خاص وصف ماضی کا انکار تاریخ کا استرداد، ایک نئی دنیا اور نئے انسان کی تخلیق کا دعویٰ ہے جو سترہویں صدی سے پہلے دنیا کے کسی معاشرے کسی تاریخ، کسی تہذیب اور کسی مذہب میں وجود نہیں رکھتا تھا۔ یعنی انسان [Self Autonomus Human Being] مطلق جدید [Modern Man] اور جدیدیت [Modernity] تو اصلاً سترہویں صدی میں پیدا ہوئے ہیں۔ کانٹ کے الفاظ میں:

Enlightenment is man's emergence from his self imposed immaturity. Immaturity is the inability to use one's understanding without guidance from another. This immaturity is self imposed lack of understanding.

اس مختصر عبارت میں کانٹ نے علم کے ہر خارجی ذریعے کا انکار کرکے علم کا سرچشمہ انسان کے اندرون کو قرار دیا ہے کہ پیمانۂ علم باہر نہیں انسان کے اندر ہے یعنی نفس، عقل، ذہن، وجدان، طبیعت

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اور حواس خمسہ وغیرہ وغیرہ۔

دین کے احکامات عقل، لغت، وجدان، علم حِسی، Hermeneutics جدید علم تشریح و توجیہہ وتوضیح وتعبیر سے طے اور حل نہیں ہوتے، وہ سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے واضح ہوتے اور صحابہ کرام کے ذریعے علمیت اسلامی کا حصہ بنتے اور امت کے تواتر اجماع اور تعامل سے طے پاتے ہیں، مثلاً سورہ نساء میں کلالہ کی میراث کا دو جگہ ذکر ہے ایک سورہ نساء کی ۱۲ ویں آیت میں اور دوسری جگہ سورہ نساء کی ۱۷۶ ویں آیت میں، پہلی جگہ ذکر ہے کہ اگر کلالہ کا بھائی یا بہن ہو تو ہر ایک کا حصہ چھٹا ہے اور اگر وہ اس سے زیادہ ہوں تو وہ سب ایک تہائی میں شریک ہوں گے۔

جب کہ سورہ نساء کی آخری آیت میں ذکر ہے کہ اگر کلالہ کی بہن ہو تو اس کو نصف ملے گا، اگر دو بہنیں ہوں تو ان کو دو تہائی ملے گا اور اگر بہن بھائی دونوں ہوں تو مرد کو عورت کے مقابلے میں دگنا ملے گا۔

ان دونوں آیات میں پہلی جگہ بہن بھائی کا حصہ چھٹا، جب کہ دوسری جگہ بہن کا حصہ نصف ذکر کیا گیا ہے، اس میں بظاہر تعارض نظر آتا ہے، لیکن درحقیقت کوئی تعارض نہیں، کیونکہ پہلی جگہ اخیافی بہن بھائیوں کا ذکر ہے اور دوسری جگہ حقیقی بہن بھائیوں کا ذکر ہے۔ پہلی جگہ اخیافی کے بجائے حقیقی بہن بھائی مراد نہیں لیے سکتے ورنہ دونوں آیات میں تعارض لازم آئے گا۔

اور پہلی جگہ اخیافی [یعنی ماں شریک بہن بھائی] کے مراد ہونے کی دلیل صحابہ کرام کے اقوال اور اجماع امت ہے۔ صحابہ کرام کو یہ توضیح وتشریح رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب سے ملی ہے کیونکہ صاحب قرآن نے رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم پر یہ ذمہ داری عائد فرمائی کہ وہ قرآن کی تعلیم، تشریح، توضیح اور تبیین فرمادیں: بِالْبَيِّنٰتِ وَ الزُّبُرِ وَ اَنْزَلْنَاۤ اِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَيْهِمْ وَ لَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ [۱۶:۴۴] صحابہ کرام اس علم کے وارث تھے جو سنت رسول سے انھیں منتقل ہوا تھا اور یہی علم اجماع اور تعامل امت سے صبح محشر تک امت کو تواتر سے منتقل ہوتا رہے گا۔ چنانچہ حضرت سعد بن ابی وقاص اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ "ولہ اخ" سے مراد ماں شریک بھائی ہے۔ بلکہ بعض حضرات نے نقل کیا ہے کہ حضرت سعد بن ابی وقاصؓ کی قرأت ہی "ولہ اخ من امہ" تھی۔ تاہم یہ قرأت شاذہ ہے، قرأت متواترہ نہیں ہے، اور ہمارے پاس جو قرآن مجید موجود ہے یہ قرأت متواترہ پر مشتمل ہے، اس لیے شاذ قرأت کے الفاظ کو قرآن نہیں کہا جاسکتا البتہ وہ قرأت بطور تفسیر کے معتبر ہوتی ہے۔

"واضح رہے کہ اس آیت میں اخیافی [ماں شریک] بہن بھائی کا حصہ بتایا گیا ہے، اگرچہ قرآن کریم کی اس آیت میں یہ قید مذکور نہیں ہے لیکن یہ قید بالاجماع معتبر ہے۔

قرآن کریم کے احکام میں کوئی تعارض نہیں۔ پہلی جگہ اخیافی بہن بھائی مراد ہیں اور دوسری جگہ اخیافی کے علاوہ بہن بھائی مراد ہے، اور اس میں کوئی تعارض نہیں، ہاں اگر کوئی شخص یہ پہلی جگہ بھی غیر

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اخیافی یعنی علاتی مراد لے تو تعارض لازم آئے گا۔

کلالہ کی تفسیر یہ کرنا کہ کلالہ وہ شخص ہے جس کی صرف اولاد نہ ہو اگرچہ باپ زندہ ہو، شاذ تفسیر ہے اور شاذ تفسیر پر عمل کرنا جائز نہیں۔ اگر اس تفسیر کو لیا جائے تو اس سے لازم آئے گا کہ باپ کی موجودگی میں میت کی بہن یا بھائی کو بھی حصہ ملے، حالانکہ یہ بات اجماع کے خلاف ہے، باپ کی موجودگی میں میت کے بہن بھائیوں کو بالاجماع حصہ نہیں ملتا، تفسیر البحر المحیط میں ہے: "واجمعت الامة على ان الاخوة لايرثون مع ابن و لااب و على هذا مضت الاعصار و الامصار".

اس دلیل کو پیش کرنے کا مقصد یہ ہے کہ آیات قرآنی کی ایسی تفسیر پیش کرنا جو خیر القرون، عہد صحابہ، تابعین، تبع تابعین، تواتر و تعامل امت، اجماع اور صلحائے امت کی بیان کردہ تفسیر اور طریقے سے صریحاً متصادم ہو تو ایسے تفرد کو امت کی علمیت معتبر تسلیم نہیں کرتی خواہ یہ تفرد کرنے والا کتنا ہی بڑا آدمی کیوں نہ ہو۔ لہٰذا قرآن کی تفسیر صرف عقل، وجدان اور کشف کی بنیاد پر نہیں کی جاسکتی اس کی تفسیر نقل سے ہی ممکن ہے تفسیر جدید کے سلسلے میں مغربی علم تعبیر و تشریح سے مدد لینا اسلامی علمیت کے لیے ممکن ہی نہیں کیونکہ اسلامی علمیت اور اس سے متعلق تمام متون ایک خاص تاریخ و تہذیب اس علمیت کی شارح ہستی ذات رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے تربیت یافتہ صحابہ کے فیضان، روایت، تواتر، تعامل اور اجماع کے ذریعے منتقل ہوئے ہیں، لہٰذا جدید فلسفیانہ علم تفسیر، تشریح و تعبیر کے اصول یہاں ہرگز قابل عمل نہیں ہیں۔ Hermenutic کا ترجمہ علم تفسیر کرنا غیر عاقلانہ رویہ ہے، علم تفسیر ایک خاص مابعد الطبیعیات اور خاص تاریخ و تہذیب سے نکلا ہے اس کو جانے بغیر مغرب کے ایجاد کردہ فلسفیانہ علم تشریح و تعبیر کی فنکاری کو اسلامی علمیت کے روایتی علم تفسیر کا مترادف سمجھنا نادانی ہے۔ شمس الرحمان فاروقی جیسے سنجیدہ نقاد اپنی کتاب "تعبیر کی شرح" کے اہم ترین مضمون میں جو اسی نام سے کتاب کے آخر میں موجود ہے اسلامی علم تفسیر اور مغربی فن تشریح و تعبیر Hermeneutic میں یہ فرق ملحوظ رکھنے سے قاصر رہے کیونکہ وہ دینی و شرعی علوم اور مغربی علوم فلسفہ کی گہرائی سے واقف نہ تھے لہٰذا اسلامی علم تفسیر کا پورا ذخیرہ ان کے خیال میں تفردات کا شاہکار ہے جو بالکل غلط استدلال ہے۔

اگر عقلی بنیادوں پر ہر حکم خداوندی کا استدلال ہو تو پھر سوال یہ ہے کہ فجر کی نماز طلوع سحر سے پہلے کیوں بعد میں کیوں نہیں کہ اس وقت تک سب اٹھ جاتے ہیں، سب ہی نماز پڑھ لیں گے لہٰذا نماز کا وقت بدل دیا جائے۔ جو شخص اب نماز فجر نہیں پڑھ رہا کیا وہ نماز کا وقت آگے بڑھ جانے سے نماز پڑھ لے گا؟ جسے اللہ تعالیٰ کے حکم کی تعمیل مقصود ہے وہ ہر حال میں تعمیل کرے گا احکامات کی مشروط تعمیل کرنے والا عبد نہیں معبود ہے۔ معبود کسی دوسرے معبود کی عبادت کیسے کرسکتا ہے؟ وہ سوال اٹھا سکتا ہے احرام میں سفید غیر سلے کپڑے کیوں کالے، ہرے اور سلے ہوئے کپڑے کیوں نہیں صاف بھی رہیں گے اور گندگی بھی نظر نہیں آئے گی، لیکن بات یہ ہے کہ یہ خدا کا حکم ہے اللہ تعالیٰ کے رسولؐ نے ہمیں اسی طرح عمل

انک لا تجتنبی من الشوک العنب ☆ ہرگز از شاخ بید برنخوری خرما نتوان خورد از این خار کہ کشتیم

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کر کے دکھایا ہے عقلی اعتراضات کی تو کوئی حد ہی نہیں مثلاً اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ہم نے آسمان اپنے ہاتھ سے بنایا ہے [۵۱:۴۷] بعض اور آیات میں یہی بات مختلف چیزوں کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمائی کہ ہم نے اپنے ہاتھوں سے بنائیں اب معترض یہ سوال اٹھا دے کہ کیا اللہ تعالیٰ مادی وجود رکھتا ہے اس کے ہاتھ بھی ہیں اس نے آسمان اپنے ہاتھ سے خود کیوں بنایا؟ پوری کائنات اس کے اشارے پر چلتی ہے تو اس نے یہ شے بنانے کے لیے کسی کو حکم کیوں نہیں دیا؟

ایسے من گھڑت سوالوں کا جواب دیتے ہوئے نہایت دانائی اور باریک بینی کی ضرورت ہے، عصر حاضر میں نوجوان اس قسم کی علمی موشگافیاں کرنے میں بہت جری ہو گئے ہیں جس کا سبب ٹی وی کے ٹاک شوز ہیں جہاں جہلاء ایک منظم منصوبے کے تحت احمقانہ موضوعات پر گفتگو کرتے رہتے ہیں اور نوجوانوں کے ذہنوں کو دانستہ مسموم کر کے ان میں عقلی موشگافیوں کا مزاج پیدا کرتے ہیں، ایسے نوجوانوں کو عمدہ مثالوں سے لا جواب کیا جا سکتا ہے۔ فتنۂ خلق قرآن کے سلسلے میں مامون کے دربار میں عبدالعزیز الکنانی اور بشر المریسی کا مناظرہ ایک عمدہ مثال ہے۔ بشر نے پوچھا قرآن نے صدہا مقام پر اللہ تعالیٰ کو خالق کل شیء کہا ہے یا نہیں؟ یعنی خدا ہر چیز کا خالق ہے کنانی نے جواب دیا وہی ہر شے کا خالق ہے۔ بشر نے پوچھا قرآن بھی شے ہے یا نہیں؟ شیخ کنائی نے کہا پہلے شے کی حقیقت سن لو پھر جواب مانگو۔ بشر نے کہا میں اور کچھ سننا نہیں چاہتا میرے سوال کا جواب دو۔ مامون نے بھی غصے سے کہا سوال کا جواب ہاں یا ناں میں دو۔ شیخ نے کہا اچھا میں تسلیم کرتا ہوں قرآن بھی اشیاء میں داخل ہے۔ مامون اور بشر نے کہا تو پھر قرآن مخلوق ہوا۔ نہیں اس سے یہ لازم نہیں آتا شیخ کنائی نے جواب دیا۔ قرآن کہتا ہے ویحذر کم اللہ نفسہٗ یعنی اللہ تم کو اپنے نفس سے ڈراتا ہے اس آیت سے ثابت ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا بھی نفس ہے پھر قرآن کہتا ہے کل نفس ذائقہ الموت [ہر نفس کو موت کا ذائقہ چکھنا ہے] پس اگر اشیاء میں قرآن داخل ہو کر مخلوق ہو گیا تو کیا خدا بھی کل نفس میں داخل ہو کر اور نفس ہو کر موت کا مزا چکھے گا؟ معتزلہ کو مناظرے میں شکست ہوگئی۔ عباسی دربار کے مسخرے نے خلیفہ کو مسئلہ خلق قرآن کے سلسلے میں صرف ایک دلیل سے قائل کر کے معتزلہ کے حلقے سے الگ کر دیا تھا۔ اس نے پوچھا کہ یا خلیفۃ المسلمین اگلے سال تراویح میں مسلمان کیا پڑھیں گے؟ خلیفہ نے جواب دیا قرآن۔ مسخرے نے نہایت تعجب سے پوچھا کہ قرآن تو مخلوق ہے اگر اگلے برس سے پہلے انتقال کر گیا تو رمضان میں کیا پڑھا جائے گا؟ خلیفہ قائل ہو گیا اس نے معتزلہ کی حمایت سے ہاتھ اٹھا لیا۔

ایسی دو اور مثالیں پیش خدمت ہیں عقل اور منطق کے ذریعے دین کو ثابت کرنے کی ہمہ وقت کوشش لایعنی ہے، مثلاً ایک شخص ایک حلوائی کی دکان میں داخل ہوا اور اس سے ایک سیر لڈو طلب کیے، حلوائی نے اسے ایک سیر لڈو دے دیے تو اس نے لڈو واپس کر دیے اور کہا کہ یہ مٹھائی بدل دو اور اس کے بدلے میں ایک سیر گلاب جامن دے دو، حلوائی نے مٹھائی تبدیل کر کے ایک سیر گلاب جامن اس کے سپرد کیے تو وہ شخص مٹھائی لے کر دکان سے باہر جانے لگا، حلوائی نے آواز دے کر روکا اور اس سے کہا کہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بھائی ایک سیر مٹھائی کے پیسے دینا آپ بھول گئے ہیں وہ دیتے جائیے،خریدار نے نہایت حیرت سے پوچھاکس بات کے پیسے؟حلوائی نے کہا جناب ایک سیر گلاب جامن کے،خریدار نے جواب دیا یہ ایک سیر گلاب جامن تو میں نے ایک سیر لڈو کے بدلے میں لیے ہیں،اس لیے اس کی قیمت کا کیا سوال؟ حلوائی نے عرض کیا حضور تو چلیے ایک سیر لڈو کے پیسے عنایت کیجیے،حلوائی کی پسپائی دیکھ کر خریدار تنک کر بولا بھائی ایک سیر لڈو تو میں آپ کو واپس کر چکا ہوں،اس کے پیسے آپ مجھ سے کیسے طلب کر سکتے ہیں؟واقعہ دلچسپ،پر لطف ہے اور خریدار کی ذہانت اور حاضر جوابی کی داد دینا پڑتی ہے لیکن اس منطقی حاضر جوابی سے آپ لوگوں کو مسکرانے پر مجبور کر سکتے ہیں حلوائی سے مفت میں مٹھائی نہیں لے سکتے،اگر آپ اصرار کریں کہ حلوائی صاحب میں نے آپ کو دلیل دی ہے آپ دلیل سے اس کا جواب دیں تو یہاں دلیل کا کام ختم ہو جائے گا اور علامہ اقبال کے مصرع کا کام شروع ہو جائے گا:

عصا نہ ہو تو کلیمی ہے کار بے بنیاد

ایسے مشکل مقامات عصائے کلیمی سے حل ہوتے ہیں عقلی دلیل اور منطق یہاں جواب دے جاتی ہے۔

اسی طرح ریاضیاتی اصول سے عقلی طور پر آپ یہ ثابت کر سکتے ہیں کہ اگر ایک کمرہ سو مزدور دس دن میں بنا سکتے ہیں تو دو سو مزدور یہ کمرہ پانچ دن میں بنالیں گے۔چار سو مزدور ڈھائی دن میں،آٹھ سو مزدور سوا دن میں،سولہ سو مزدور ۱۴ گھنٹے میں،بتیس سو مزدور سات گھنٹے میں بتیس ہزار مزدور سات سکنڈ میں لیکن کیا عملاً کوئی کمرہ سات سیکنڈ میں بن سکتا ہے؟ریاضیاتی طور عقلی منطقی خیالی طور پر ایسا کمرہ ضرور بن سکتا ہے لیکن صرف اعداد و شمار کے ذریعے،عملاً نہیں۔لہٰذا بہت سی باتیں جو عقلی،منطقی اور ریاضیاتی طریقوں سے ثابت کردی جائیں تب بھی عملی زندگی میں نا قابل عمل ہو جاتی ہیں۔خود ذاکر نائیک صاحب نے عقلی استدلال کی مخالفت میں ایک عمدہ مثال اسلام دہشت گردی یا عالمی بھائی چارے والے خطبے میں دی ہے: اس مناظرے میں گوشت خوری کے مخالفین کی دلیل یہ تھی کہ ٹھیک ہے پودے بھی جاندار ہیں لیکن ان کے اندر صرف تین حواس ہوتے ہیں جبکہ گائے بکری بکرے میں پانچ حواس ہوتے ہیں لہٰذا جانوروں کو مارنا بڑا جرم ہے اور پودوں کو مارنااس کے مقابلے میں نسبتاً چھوٹا جرم ہے، ذاکر نائیک نے جواب دیا کہ اچھا چلو یہ فرض کرو کہ تمہارا ایک چھوٹا بھائی ہے جو پیدائشی گونگا بہرا ہے اس میں عام انسانوں کے مقابلے میں دو حسیات کم ہیں اب فرض کیجیے کہ کوئی آپ کے بھائی کو مار دیتا ہے کیا اس وقت آپ جج کے سامنے جا کر یہ کہنے کے لیے تیار ہوں گے کہ مائی لارڈ چوں کہ میرے بھائی میں دو حواس کم تھے لہٰذا مجرم کو کم سزا دی جائے نہیں بلکہ آپ کہیں گے کہ

☆ان مع العسر یسرا......باہر سختی آسانی است☆

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مجرم کو دگنی سزا دی جائے کیوں کہ اس نے ایک معصوم اور مجبور شخص پر ظلم کیا لہٰذا اسلام میں بھی یہ منطق نہیں چلتی[1] ہمیں خوشی ہے کہ ذاکر نائیک صاحب نے خود تسلیم کرلیا کہ اسلام میں عقلی منطق نہیں چلتی، کبھی کبھی چل بھی جاتی ہے لیکن صرف اس منطق اور عقلیت پر دین کے فہم کو منحصر رکھنا یا مقید کرنا عقل کا تقاضا نہیں ہے۔

ایک عالم کا عقلی دلیل کی فضیلت، اہمیت اور برتری کے سلسلے میں ایک شخص سے مباحثہ ہوا۔ موقف یہ تھا کہ عقلی دلیل ہی ترجمان ساطع، برہان قاطع اور تفسیر واضح ہوتی ہے۔ اس سے عالم نے کہا کیا احنف بن قیس اور ایک چھوٹا بچہ دونوں کو شہید کردیا جائے تو دونوں کا قصاص یکساں ہوگا؟ یا احنف بن قیس کی عقل وحلم کی وجہ سے ان کا کچھ زیادہ ہوگا؟ اس نے کہا نہیں دونوں کا برابر ہوگا۔ عالم نے فرمایا: پھر صرف عقلی و منطقی دلیل کوئی چیز نہیں۔

سب سے پہلے ابلیس نے منطقی و عقلی دلیل کا آغاز کیا۔ اسے جب حکم ملا کہ حکم الٰہ پر عمل کرو اور آدم کو سجدہ کرو تو اس نے کہا میں اس سے بہتر ہوں تو نے مجھے آگ سے اور اسے مٹی سے پیدا کیا ہے۔ ابلیس نے صرف عقل محض [Pure reason] پر دلیل کی بنیاد رکھی جو صرف طبیعی مسائل [Physical Domain] میں تجزیہ کی صلاحیت رکھتی ہے، اس جزوی عقل [Partial rationality] نے اسے دھوکا دیا لہٰذا خیر، الحق اور سچ کا معیار [Standard of Good & Truth] عقل نہیں ہوسکتی۔ عقل جزئی حقیقت تک رسائی نہیں کرسکتی ہے۔ بہترین عقل وہ ہے جو مالک الملک کے حکم کو درست سمجھے یہ وہ عقل ہے جس کو پرکھنے کا پیمانہ عقل سے نہیں نکلتا باہر سے آتا ہے، وہ پیمانہ وحی الٰہی ہے یعنی وحی بتائے گی کہ انسان عاقل ہے یا نہیں اور عقلیت کا پیمانہ یہ ہے کہ انسان مقام عبدیت کو قبول کرلے اور حقیقت مطلق کی اطاعت واتباع میں خوشی محسوس کرے قرآن بتاتا ہے: اِنَّ شَرَّ الدَّوَآبِّ عِنْدَ اللّٰہِ الصُّمُّ الْبُکْمُ الَّذِیْنَ لَا یَعْقِلُوْنَ [۸:۲۲]، اِنَّ شَرَّ الدَّوَآبِّ عِنْدَ اللّٰہِ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا فَھُمْ لَا یُؤْمِنُوْنَ [۸:۵۵]، اَمَّنْ ھُوَ قَانِتٌ اٰنَآءَ الَّیْلِ سَاجِدًا وَّقَآئِمًا یَّحْذَرُ الْاٰخِرَۃَ وَیَرْجُوْا رَحْمَۃَ رَبِّہٖ قُلْ ھَلْ یَسْتَوِی الَّذِیْنَ یَعْلَمُوْنَ وَالَّذِیْنَ لَا یَعْلَمُوْنَ اِنَّمَا یَتَذَکَّرُ اُوْلُوا الْاَلْبَابِ [۳۹:۹]، اَعَدَّ اللّٰہُ لَھُمْ عَذَابًا شَدِیْدًا فَاتَّقُوا اللّٰہَ یٰٓاُولِی الْاَلْبَابِ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا قَدْ اَنْزَلَ اللّٰہُ اِلَیْکُمْ ذِکْرًا [۶۵:۱۰] ان آیات کا لب لباب یہی ہے کہ عقل سے کام نہ لینے والے خدا کے نزدیک بدترین جانور اور بہرے و گونگے لوگ ہیں، الحق کا انکار کرنے والے بدترین مخلوق ہیں، نصیحت عقل والے قبول کرتے ہیں، معیار عقل قبولیت نصیحت ہے جو القرآن، الکتاب اور الحق کو قبول نہ کرے وہ صاحب عقل ہی نہیں ایمان لانے والے لوگ ہی صاحب عقل ہیں اور اللہ سے انہیں ڈرنا چاہیے۔ عقل جب وحی الٰہی کی تقلید قبول کرتی ہے تو وہ صرف عقل نہیں رہتی وہ ایمان کے زمرے میں آتی ہے جو علم کا اصل سرچشمہ ہے۔

ایک راسخ العقیدہ عالم نے ایک عقلیت پسند عالم سے پوچھا مجھے ایسا کلمہ بتلایئے جس کا اول

---

[1] ذاکر نائیک، ''اسلام دہشت گردی یا عالمی بھائی چارہ'' مشمولہ خطبات ذاکر نائیک، صفحہ ۶۲۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

شرک اور آخر ایمان ہو؟ عالم نے کہا میں نہیں جانتا پہلے عالم نے جواب دیا یہ لا الٰہ الا اللہ ہے۔ اگر کوئی لا الٰہ کہہ کر رک گیا تو کافر ہو جائے گا۔ اسی کلمہ کا اول شرک اور آخر ایمان ہے۔ دوسرا سوال پوچھا کہ اچھا بتایئے کہ قتل جو اللہ تعالیٰ کے یہاں حرام ہے زیادہ بڑا گناہ ہے یا زنا؟ انھوں نے کہا قتل۔ انھوں نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے قتل کے لیے دو شہادتیں قبول فرمائی ہیں لیکن زنا کے لیے چار ضروری ہیں۔ عقل ومنطق یہاں آپ کے لیے کہاں فائدہ مند رہی؟ ـــــ اور پھر پوچھا بتایئے خدا کے یہاں روزہ بڑا ہے یا نماز؟ عقلیت پسند مفتی نے کہا نماز، انھوں نے فرمایا عورت حیض سے فراغت کے بعد روزوں کی قضا کرتی ہے لیکن نماز کی نہیں، معلوم ہوا کہ صرف عقل کی بنیاد پر مذہبی امور کے فیصلے اور ان کی حکمت معلوم کرنا ممکن نہیں۔

حضرت عباسؓ نے خارجیوں سے گفتگو کی تو ان کے عقلی دلائل کا اس خوبصورتی سے ایمانی و عرفانی جواب دیا کہ وہ دنگ رہ گئے۔ حضرت عباسؓ بتاتے ہیں کہ خارجیوں نے ان سے کہا کہ ہمیں حضرت علیؓ کی تین باتیں بہت بری لگیں۔ وہ یہ کہ حکم انھوں نے آدمیوں کو بنایا جب کہ حکمِ خداوندی ہے:

اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ [حکم تو اللہ ہی کا ہے]

میں نے کہا کہ خرگوش کے سلسلے میں چوتھائی درہم کا معاملہ اللہ تعالیٰ ہی نے بندوں کے سپرد کیا اور انھیں حکم بنادیا ہے۔ جواب میں اس آیت کریمہ کی طرف اشارہ ہے: فَجَزَآءٌ مِّثْلُ مَا قَتَلَ مِنَ النَّعَمِ يَحْكُمُ بِهٖ ذَوَا عَدْلٍ مِّنْكُمْ ۔[پارہ ۷، المائدہ] تو اس کا بدلہ یہ ہے کہ جیسا اس نے قتل کیا ویسا ہی جانور دے اور تم میں کے دو ثقہ اس کا فیصلہ کریں۔ احرام پہنے ہوئے حاجی کے شکار سے متعلق یہ حکم ہے یعنی اگر خرگوش کو حالت احرام میں شکار کیا تو بدلے میں خرگوش ہی دینا ہوگا۔ اور زوجین کے بارے میں قرآن حکیم میں ہے: فَابْعَثُوْا حَكَمًا مِّنْ اَهْلِهٖ وَ حَكَمًا مِّنْ اَهْلِهَا [پ۵، النساء] [ایک حکم مرد والوں کی طرف سے اور ایک عورت والوں کی طرف سے بھیجو]

خرگوش، زوجین اور بندے کے معاملات میں حَکَم بنانا افضل ہے اور امت کے معاملات میں جس سے خوں ریزی بند ہو کر اختلاف اتحاد و اتفاق میں تبدیل ہو جائے؟ کیا وہاں حَکَم نہ بنانا افضل ہو سکتا ہے؟ انھوں نے کہا ہاں صحیح ہے!

دوسرا اعتراض یہ ہے کہ انھوں نے امیر المومنین بننے سے توقف کیا اور علیحدہ رہے وہ امیر الکافرین ہیں [معاذ اللہ] میں نے کہا اگر قرآن وسنت سے میں سے دلیل دوں تو مان لوگے؟ انھوں نے کہا ہاں! میں نے کہا میں نے سنا ہے اور میرا خیال ہے کہ تمھیں بھی معلوم ہوگا کہ صلح حدیبیہ کے روز سہیل بن عمرو کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے گفتگو ہوئی تو آپ نے حضرت علی سے کہا لکھیے:

"ھذا ما صالح علیہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم"

ان سبھوں نے کہا کہ اگر ہم آپ کو خدا کا رسول مان لیں تو جنگ ہی نہ کریں۔ آپ نے حضرت علیؓ سے فرمایا: علیؓ! اسے مٹا دو ـــــ ابن عباسؓ نے کہا کیا میں تمھاری اس بات کا جواب دے دیا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ان سبھوں نے کہا ہاں!

اب رہا جنگِ جمل وصفین کے بارے میں تمھارا یہ کہنا کہ انھوں نے قتال کیا لیکن قیدی نہ بنائے اور نہ مال غنیمت حاصل کیا۔ کیا تم اپنی ماؤں کو قیدی بنا کر دوسری عورتوں کی طرح انھیں بھی اپنے لیے حلال سمجھو گے؟ اگر ہاں کہو گے تو انکار کتاب اللہ کرو گے اور اسلام سے نکل جاؤ گے۔ اب تم دو گمراہیوں کے درمیان گھر گئے ہو۔

کوئی بھی چیز پیش کر کے میں کہتا کیا اس سے نکل گیا؟ وہ کہتے ہاں! اس طرح ان میں سے دو ہزار خارجی ہمارے ساتھ واپس آ گئے اور صرف چھ سو باقی رہ گئے۔ تفصیل کے لیے اعلام الموقعین کا مطالعہ کیا جا سکتا ہے۔ خارجی قتل وغارت گری اور اپنے مخالفین کی خونریزی میں مشہور تھے لیکن جب حق و صواب اور حکمت وموعظت کے ساتھ ان سے گفتگو کی گئی تو ان میں سے اکثر قبول حق پر آمادہ ہو گئے اور جب انھیں قرآن حکیم پڑھ کر سنایا گیا تو انھوں نے اس سے عبرت ونصیحت حاصل کی۔ انھیں مناسب طریقہ سے گفتگو کی دعوت دی گئی تو کھلے دل کے ساتھ انھوں نے یہ دعوت قبول کر لی۔ جب متشدد لوگوں کو دعوت ونصیحت اور نرمی سے تبدیل کیا جا سکتا ہے تو عہد حاضر کے ملحد، بے دین، دین بے زار اور متشکک لوگوں کو بھی بدلا جا سکتا ہے۔

عصر حاضر کا مسئلہ یہ ہے کہ فقہا، متکلمین واعظین علماء نے لا ادری کہنا ترک کر دیا ہے لہٰذا وہ ہر مسئلے کا جواب دینے کی کوشش کرتے ہیں اور عوام کی درست رہنمائی سے قاصر رہتے ہیں۔ نائیک صاحب نہایت اخلاص کے ساتھ ادھورے علم کے ذریعے امت کی اصلاح کے لیے نکلے ہیں کاش وہ کہہ سکتے کہ لا ادری تو اس بڑی ذمہ داری سے بچ جاتے جسے انھوں نے رضا کارانہ طور پر خود قبول کر لیا ہے ایک ایسی ذمہ داری جوامت کے لیے مصایب کے نئے دریچے کھول رہی ہے۔

اعتراضات کرنے والے قسم قسم کے اعتراض کر سکتے ہیں مثلاً سورۂ نحل کی آیت: وَاللّٰهُ جَعَلَ لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا وَّ جَعَلَ لَكُمْ مِّنْ اَزْوَاجِكُمْ بَنِيْنَ وَ حَفَدَةً وَّ رَزَقَكُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ اَفَبِالْبَاطِلِ يُؤْمِنُوْنَ وَ بِنِعْمَتِ اللّٰهِ هُمْ يَكْفُرُوْنَ [۱۶:۷۲] میں اللہ تعالیٰ نے بیٹے اور پوتوں کا ذکر کیوں کیا ہے؟ بیٹی اور نواسوں کا ذکر کیوں نہیں کیا؟ اور نواسوں کا ذکر بھی کیوں نواسیوں کا ذکر کیوں نہیں کیا؟ یہ تو صریحاً صنفی امتیاز محسوس ہوتا ہے [نعوذ باللہ]۔ جب آپ عہد حاضر کے غالب تعقل کی روشنی میں چیزوں کو ایک خاص زاویے، خاص نقطۂ نظر اور خاص مابعد الطبیعیات کے ذریعے پرکھتے ہیں تو اسی قسم کے کمالات، تحقیقات، ایجادات اور انکشافات کا دریچہ وا ہوتا ہے اور سائنسی، منطقی، تجربی، حسی اور طبعی ذہن قرآنی دلیل کو سمجھنے سے قاصر رہتا ہے۔ معترض یہ بھی کہہ سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سورۃ نحل میں کہا ہے کہ یہ پہاڑ میخیں ہیں جو زمین کو ڈھلکنے سے روکے ہوئے ہے: ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا عَبْدًا مَّمْلُوْكًا لَّا يَقْدِرُ عَلٰى شَيْءٍ وَّ مَنْ رَّزَقْنٰهُ مِنَّا رِزْقًا حَسَنًا فَهُوَ يُنْفِقُ مِنْهُ سِرًّا وَّ جَهْرًا هَلْ يَسْتَوٗنَ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ بَلْ اَکْثَرُھُمْ لَا یَعْلَمُوْنَ ...... وَ ضَرَبَ اللّٰہُ مَثَلًا رَّجُلَیْنِ اَحَدُھُمَآ اَبْکَمُ لَا یَقْدِرُ عَلٰی شَیْءٍ وَّ ھُوَ کَلٌّ عَلٰی مَوْلٰہُ اَیْنَمَا یُوَجِّھْہُّ لَا یَاْتِ بِخَیْرٍ ھَلْ یَسْتَوِیْ ھُوَ وَ مَنْ یَّاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَ ھُوَ عَلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ [۱۶:۷۵،۷۶] لیکن دیکھیے دنیا میں ہزاروں پہاڑ کاٹ دیے گئے اگر پہاڑوں کو کاٹا نہ جائے تو اس میں سے معدنیات کے ذخائر یعنی پتھروں کی انواع واقسام سے کیسے فیض اٹھایا جائے؟ ظاہر ہے نائیک صاحب یہاں کوئی جواب نہ دے سکیں گے۔ وہ یہ اعتراض بھی اٹھا سکتا ہے کہ سورہ نحل میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اس نے گھوڑے اور خچر پیدا کیے تا کہ تم ان پر سوار ہو اور وہ تمھاری زندگی کی رونق بنیں [۱۶:۸] لیکن عہد حاضر میں تو جدید تہذیب وتمدن کے ظہور کے بعد گھوڑے اور خچر تو زینت حیات دنیا ہی نہیں رہے، دنیا کے اکثر حصوں میں علمائے دین بھی گدھے اور گھوڑے پر سواری کو قابل عزت شے نہیں سمجھتے کیا آپ ''شیخ الاسلام'' کا اکرام اس طرح کریں گے کہ انھیں گھوڑے یا گدھے پر بٹھا کر لے جائیں؟ بہ ظاہر یہ اعتراض درست لگتا ہے کیونکہ عصر حاضر کے تعقل نے عیش وعشرت اور سہولت کی جو سواریاں پیدا کی ہیں ان کے سامنے گھوڑے اور گدھے واقعی حیات دنیا کی زینت نظر نہیں آتے اور کسی عالم کو خچر یا گدھے پر سواری کی دعوت دینا جدید حسی ذہن کو فی الواقع توہین نظر آئے گا، کیونکہ یہ طرز عمل عہد حاضر کے غالب طرز تعقل کے خلاف ہے، مگر یہ نظر کا قصور ہے، برطانیہ کی ملکہ سعودی عرب کے شاہ کے خصوصی استقبال کے لیے شاہی بگھی میں لے کر انھیں بکنگھم پیلس جاتی ہے تو پوری دنیا اور خود شہنشاہ اسے خصوصی اکرام واعزاز سمجھتے ہیں کیونکہ یہ تعظیم عہد حاضر کے تعقل سے ہم آہنگ ہو جاتی ہے، قرآن بتاتا ہے کہ جانوروں میں تمھارے لیے جمال ہے جب کہ تم صبح انھیں چرنے کے لیے بھیجتے ہو اور جب کہ شام انھیں واپس لاتے ہو [۱۶:۶] لیکن عہد حاضر کے فلسفۂ جمال میں جانوروں کے اس حسن، کمال اور جمال کے لیے کوئی جگہ نہیں ہے فلیٹ شہر اور جانور ایک ساتھ نہیں رہ سکتے جدید طرز زندگی فطری حقیقی اصل طرز زندگی کو باقی ہی نہیں رہنے دیتا نہ شہروں میں باغات میں نہ کھیت نہ چراگاہیں تو جانور کیسے رہیں گے اور اس کا حسن و جمال کون دیکھے گا؟ لہٰذا جمالیات کے نئے نظریات میں اس فطری حسن وجمال کا کوئی ذکر نہیں ہوتا لیکن عید قربان کے موقعے پر پوری امت اور اس کے امراء عالیشان محلوں میں رہنے والے متکبرین کے بچے جانوروں کے جمال سے جس طرح لطف اٹھاتے ہیں اور ان کے ساتھ جس طرح وقت گزارتے ہیں وہ اس آیت کی سچائی کی محکم دلیل ہے مگر سائنسی ذہن اس دلیل کو سمجھنے سے قاصر ہے۔

قرآن حکیم بتاتا ہے کہ حضرت موسیٰ کو نو معجزے دیے گئے تھے لیکن ذکر صرف دو معجزوں کا کیا گیا ہے: وَ لَقَدْ اٰتَیْنَا مُوْسٰی تِسْعَ اٰیٰتٍ م بَیِّنٰتٍ فَسْئَلْ بَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ اِذْ جَآءَھُمْ فَقَالَ لَہٗ فِرْعَوْنُ اِنِّیْ لَاَظُنُّکَ یٰمُوْسٰی مَسْحُوْرًا [سورۂ بنی اسرائیل:۱۰۱]، وَاَدْخِلْ یَدَکَ فِیْ جَیْبِکَ تَخْرُجْ بَیْضَآءَ مِنْ غَیْرِ سُوْٓءٍ فِیْ تِسْعِ اٰیٰتٍ اِلٰی فِرْعَوْنَ وَقَوْمِہٖ اِنَّھُمْ کَانُوْا قَوْمًا فٰسِقِیْنَ [سورۂ النمل:۱۲]

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

قرآن بقیہ سات معجزوں کے بارے میں خاموش ہے اب یہاں خاموشی کا مقصد یہ نہیں ہے کہ ان سات معجزوں کی تحقیق میں عمر بسر کردی جائے کیونکہ مقصود صرف یاددہانی ہے، بیان واقعہ ہے کہ قوم فرعون معجزوں کے سامنے بے بس ہوگئی، اس کے جادوگر بھی بے بس ہوگئے، آیت کا مقصد اس تحقیق اور تلاش وجستجو میں وقت ضائع کرنا نہیں ہے کہ بقیہ سات معجزے کیا تھے، ان کا ذکر کیوں نہیں ہوا ان معجزوں میں کیا دکھایا گیا تھا؟

واقعہ یہ ہے کہ صرف عقل کی بنیاد پر کسی کو دین وایمان کی توفیق نہیں ملتی یہ توفیق انھیں ملتی ہے جو عقل کے ذریعے کسی حقیقت کو پالینے کے بعد قلب میں تبدیلی محسوس کرتے ہیں تو انھیں ایمان کی توفیق نصیب ہوجاتی ہے، عقل صرف سوچنے کا ذریعہ ہے وہ حقیقت کو پانے والے، ڈھونڈنے والے آلات [Instruments] میں سے ایک آلہ ہے یہ آلہ خود مطلوب ومقصود نہیں ہے۔ کفار مکہ نے علم، عقل اور فطرت کے آلات کے ذریعے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور اصل بیت اللہ کو پہچان لیا تھا قرآن کے الفاظ میں مشرکین مکہ اور اہل کتاب ذات رسالت مآب کو اپنے بیٹوں کی طرح پہچانتے تھے اسی طرح وہ بیت المقدس کے بجائے بیت اللہ کی اصلیت سے بھی واقف تھے لیکن ان کے قلب نے انکار کردیا ان کے نفس نے تعقل قلبی سے استفادہ نہیں کیا وہ خواہش نفس کے الٰہ کی پرستش میں مبتلا رہے۔ قلب اس تفکر کو گہرائیوں کے ساتھ ایمان کے قالب میں ڈھالنے کا وسیلہ ہے، اس لیے پیغمبر جب بھی آتے ہیں لوگوں کے قلوب کو بدلتے ہیں، ان کے فواد کو مخاطب کرتے ہیں، ان کے دروازۂ دل پر دستک دیتے ہیں، ان کے دل کی دنیا بدلنے کی تگ ودو میں لگے رہتے ہیں کیوں کہ قرآن کے الفاظ میں ''ایک شخص کے سینے میں دو دل نہیں ہوتے'' لہٰذا اس ایک دل کو خالق حقیقی کے لیے خالص کردینا پیغمبروں کی کوشش ہوتی ہے۔

منافقین بہ ظاہر ایمان لے آئے تھے مگر ان کے ایمان کو اللہ نے تسلیم نہیں کیا انھوں نے رسالت مآب کا انکار نہیں کیا لیکن دل سے آپ کی تصدیق نہیں کی، اسی لیے قرآن نے ارشاد کیا کہ یہ منہ سے کہتے ہیں مگر دل سے ایمان نہیں لاتے: یٰٓاَیُّھَا الرَّسُوْلُ لَا یَحْزُنْکَ الَّذِیْنَ یُسَارِعُوْنَ فِی الْکُفْرِ مِنَ الَّذِیْنَ قَالُوْٓا اٰمَنَّا بِاَفْوَاھِھِمْ وَ لَمْ تُؤْمِنْ قُلُوْبُھُمْ وَ مِنَ الَّذِیْنَ ھَادُوْا سَمّٰعُوْنَ لِلْکَذِبِ سَمّٰعُوْنَ لِقَوْمٍ اٰخَرِیْنَ لَمْ یَاْتُوْکَ یُحَرِّفُوْنَ الْکَلِمَ مِنْۢ بَعْدِ مَوَاضِعِہٖ یَقُوْلُوْنَ اِنْ اُوْتِیْتُمْ ھٰذَا فَخُذُوْہُ وَ اِنْ لَّمْ تُؤْتَوْہُ فَاحْذَرُوْا وَمَنْ یُّرِدِ اللّٰہُ فِتْنَتَہٗ فَلَنْ تَمْلِکَ لَہٗ مِنَ اللّٰہِ شَیْئًا اُولٰٓئِکَ الَّذِیْنَ لَمْ یُرِدِ اللّٰہُ اَنْ یُّطَھِّرَ قُلُوْبَھُمْ لَھُمْ فِی الدُّنْیَا خِزْیٌ وَّ لَھُمْ فِی الْاٰخِرَۃِ عَذَابٌ عَظِیْمٌ [۵:۴۱]

اگر ایمان عقلی دلائل پر منحصر ہوتا تو اہل کتاب ایمان لے آتے، قرآن کے الفاظ میں وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس طرح پہچانتے تھے جس طرح اپنے بیٹوں کو پہچانتے ہیں وہ عقلی طور پر آپ کی بعثت سے متفق تھے لیکن ان کا دل اسے تسلیم نہیں کرتا تھا، ان کی خواہش نفس اور تکبر ضد اور اپنی قوم کی عظمت اس عقلی دلیل کو قلبی دلیل میں تبدیل کرنے پر آمادہ نہ تھی، لہٰذا عقلی یقین کے باوجود وہ آخر تک قلبی یقین سے محروم رہے اور دنیا وآخرت دونوں برباد کرلی۔ اسی لیے قرآن نے واضح کردیا کہ جس نے دل کی رضامندی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ے کفر کو قبول کر لیا اس پر اللہ کا غضب ہے: مَنْ كَفَرَ بِاللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ اِيْمَانِهٖٓ اِلَّا مَنْ اُكْرِهَ وَ قَلْبُهٗ مُطْمَئِنٌّۢ بِالْاِيْمَانِ وَ لٰكِنْ مَّنْ شَرَحَ بِالْكُفْرِ صَدْرًا فَعَلَيْهِمْ غَضَبٌ مِّنَ اللّٰهِ وَ لَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ [۱۶:۱۰۶]۔ ابو جہل کعبہ کے پردوں میں چھپ کر قرآن سنتا تھا اس کا دل پگھل جاتا تھا لیکن اس کا تکبر آڑے آتا تھا کہ یہ قرآن اس شہر کے دو بڑے آدمیوں پر کیوں نہیں اترا؟

سورۃ انبیاء میں حضرت ابراہیم اور اس عبادت گاہ کے مقتدیوں کا مکالمہ آیت ۵۹ تا ۶۷ میں تفصیل سے آیا ہے، جب حضرت ابراہیمؑ نے تمام بتوں کو ریزہ ریزہ کر دیا اور کفار مندر میں عبادت کے لیے گئے تو بڑے ناراض ہوئے کہ ہمارے معبودوں کے ساتھ یہ ظلم کس نے کیا، انھیں بتایا گیا کہ ایک نوجوان ابراہیم ہے جو بتوں کو برا بھلا کہتا ہے انھیں لوگوں کی موجودگی میں طلب کیا گیا اور سوال حضرت ابراہیمؑ سے یہ پوچھا گیا کہ: قَالُوْٓا ءَاَنْتَ فَعَلْتَ هٰذَا بِاٰلِهَتِنَا يٰٓاِبْرٰهِيْمُ [سورۃ الانبیاء:۶۲] ہمارے معبودوں کے ساتھ یہ کام تم نے کیا؟ قَالَ بَلْ فَعَلَهٗ كَبِيْرُهُمْ هٰذَا فَسْـَٔلُوْهُمْ اِنْ كَانُوْا يَنْطِقُوْنَ [سورۃ الانبیاء:۶۳] آپ نے فرمایا "ان کے بڑے بت سے معلوم کرو اگر یہ بولتے ہوں"۔

کفار اس عقلی دلیل پر ششدر ہو گئے: فَرَجَعُوْٓا اِلٰٓى اَنْفُسِهِمْ فَقَالُوْٓا اِنَّكُمْ اَنْتُمُ الظّٰلِمُوْنَ [الانبیاء:۶۴] اور آپس میں کہنے لگے بیشک ہم ہی ظالم ہیں: ثُمَّ نُكِسُوْا عَلٰى رُءُوْسِهِمْ لَقَدْ عَلِمْتَ مَا هٰٓؤُلَآءِ يَنْطِقُوْنَ [الانبیاء:۶۵] پھر شرمندہ ہو کر سر نیچا کر لیا اور کہنے لگے تم جانتے تو ہو کہ یہ بولتے نہیں اس پر حضرت ابراہیمؑ نے کہا کہ پھر تم اللہ کو چھوڑ کر کیوں ایسے بتوں کو پوجتے ہو جو نہ تمہیں کوئی فائدہ دے سکیں نہ نقصان پہنچا سکیں؟ کفار عقلی طور پر مطمئن تھے لیکن قلبی طور پر مطمئن نہ تھے۔ قلب اور فواد جب تک عقل کا ساتھ نہ دیں ایمان کی توفیق نہیں ملتی اس لیے انبیاء لوگوں کے قلوب کو تسخیر کرتے ہیں۔ دلوں کو فتح کرنا ہی اصل فتح ہے عقل تو آسانی سے مغلوب ہو جاتی ہے لیکن عقل سے قلب تک کا فاصلہ جو بہت مختصر ہے دنیا کا طویل ترین راستہ ہے، مشرکین مکہ کو نبوت اور رسالت سے انکار نہیں تھا وہ تو پیغمبر کے منتظر تھے لیکن ان کا اعتراض یہ تھا کہ یہ نبوت بنی ہاشم کو کیوں عطا کی گئی؟ ان کا اعتراض صرف یہ تھا کہ "کہتے ہیں یہ قرآن دونوں شہروں کے بڑے آدمیوں میں سے کسی پر کیوں نہ اترا کیا تیرے رب کی رحمت یہ لوگ تقسیم کرتے ہیں" [الزخرف آیت ۳۱] وہ قرآن اور نبوت کا نزول طائف اور مکہ کے کسی رجل رشید پر چاہتے تھے لیکن رحمت الٰہی کفار مشرکین کی خواہش سے تقسیم نہیں ہوتی۔ انبیاء اور ان کے صحابہ کی اپنی امتوں سے ٹوٹ کر محبت اس راستے کو طے کرتی ہے یہ محبت ہی کفار کے قلوب بدلنے کا ذریعہ بنتی ہے یہ محبت اس قدر زیادہ ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ رسالت مآبؐ اور صحابہ کرام کو ہدایت فرماتے ہیں کہ:

هٰٓاَنْتُمْ اُولَآءِ تُحِبُّوْنَهُمْ وَ لَا يُحِبُّوْنَكُمْ ... مِنْ اَفْوَاهِهِمْ وَ مَا تُخْفِيْ صُدُوْرُهُمْ اَكْبَرُ قَدْ بَيَّنَّا لَكُمُ الْاٰيٰتِ اِنْ كُنْتُمْ تَعْقِلُوْنَ [سورۃ آل عمران:۱۱۹] تم ان سے محبت رکھتے ہو لیکن وہ

هرچه بگندد نمکش می‌زنند ☆ وای به روزی که بگندد نمک

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

تم سے محبت نہیں رکھتے، رسالت مآبؐ یعنی رحمت اللعالمین کو اللہ تعالیٰ حکم دیتے ہیں کہ اے نبی کفار اور منافقین کے ساتھ سختی سے پیش آیئے: یٰٓاَیُّھَا النَّبِیُّ جَاھِدِ الْکُفَّارَ وَ الْمُنٰفِقِیْنَ وَ اغْلُظْ عَلَیْھِمْ وَ مَاْوٰھُمْ جَھَنَّمُ وَ بِئْسَ الْمَصِیْرُ [سورۃ التوبہ: ۷۳]

رسالت مآبؐ اپنی قوم کے انکار پر کس قدر افسردہ اور دل گرفتہ تھے، ان کو جہنم سے جنت کی طرف لانے میں کس قدر بے تاب تھے کہ اللہ تعالیٰ سے رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ دل گرفتگی اور دل سوزی نہ دیکھی گئی اور قرآن کی آیت نازل ہوئی کہ اگر یہ کفار ایمان نہ لائیں گے تو کیا آپ ان کے غم میں اپنی جان دے دیں گے: ''لَعَلَّکَ بَاخِعٌ نَّفْسَکَ اَلَّا یَکُوْنُوْا مُؤْمِنِیْنَ'' ترجمہ: ''کیا آپ اپنے کو اس فکر میں ہلاک کر کے رہیں گے کہ یہ لوگ ایمان لانے والے نہیں بنتے''۔ [سورۃ الشعراء: ۱] فلا تذھب نفسک علیھم حسرات [الفاطر: ۳] ''ان لوگوں کے حال پر غم کر کے کہیں آپ جان نہ دے بیٹھیں''۔ ترجمہ: وہ اپنی تبلیغ پر کوئی اجر نہیں مانگتے [السباء: ۶] وہ صرف ان کی اصلاح کے حریص، آخرت کی بہتری کے طالب، ان کی اخروی کامیابی کے لیے بے تاب ہوتے ہیں اور یہ اخلاص کی انتہا ہے۔ پیغمبروں کو اپنی امت سے کس قدر محبت ہوتی ہے اس کا ایک اور ثبوت روز قیامت اللہ تعالیٰ کا حضرت عیسیٰؑ سے وہ مکالمہ ہے جو سورہ مائدہ میں بیان ہوا ہے آیت ۱۰۹ سے ۱۱۵ تک اللہ تعالیٰ نے اپنے وہ انعامات گنائے جو حضرت عیسیٰؑ کو ملے تھے اس کے بعد یہ احسانات یاد دلا کر پوچھا ''اے عیسیٰ ابن مریم! کیا تم نے لوگوں سے کہا تھا کہ خدا کے سوا مجھے اور میری ماں کو بھی خدا بنا لو؟ تو وہ جواب میں عرض کریں گے سبحان اللہ یہ میرا کام نہ تھا کہ وہ بات کہتا جس کے کہنے کا مجھے حق نہ تھا اگر میں نے ایسی بات کہی ہوتی تو آپ کو ضرور علم ہوتا، میں نے تو ان سے اس کے سوا کچھ نہ کہا جس کا آپ نے حکم دیا تھا کہ اللہ کی بندگی کرو یا جو میرا رب بھی ہے اور تمھارا رب بھی میں، اس وقت تک ان کا نگران تھا جب تک میں ان کے درمیان تھا، جب آپ نے مجھے واپس بلا لیا تو آپ ان پر نگران تھے اور آپ تو ساری ہی چیزوں پر نگران ہیں''۔ اپنی امت کے شرک، کفر، عصیان اور طغیان کا قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے ذریعے علم ہونے اور یہ جاننے کے باوجود کہ اللہ تعالیٰ کے یہاں ہر گناہ کی بخشش ہے سوائے شرک کے حضرت عیسیٰؑ کی وہ التجا دل کو پارہ پارہ کر دیتی ہے اللہ کی طرف سے آپ کی امت کے شرک کے اعلان کے باوجود بارگاہ رب العزت میں التجا کے الفاظ دیکھیے: اِنْ تُعَذِّبْھُمْ فَاِنَّھُمْ عِبَادُکَ وَ اِنْ تَغْفِرْ لَھُمْ فَاِنَّکَ اَنْتَ الْعَزِیْزُ الْحَکِیْمُ ''اے اللہ اب اگر آپ انھیں سزا دیں تو وہ آپ کے بندے ہیں اور اگر معاف کر دیں تو آپ غالب و دانا ہیں'' [۵: ۱۱۸]۔ کاش حضرت عیسیٰ کی یہ آرزو تمنا ہمارے متحارب دینی گروہوں کے قلب سے گزرتی تو وہ کلمہ گو مسلمانوں کے بارے میں انہی جذبات کے ساتھ بارگاہِ الٰہی میں دعا گو ہوتے اور روئے زمین پر اللہ کی عدالت قائم کرنے کی کوشش نہ فرماتے۔

پیغمبر اور ان کے امتی جب کفار مشرکین سے اس درجہ محبت کر کے انھیں دعوت ایمان دیتے

ترجو الولید وقد اعیاک والدہ ...... ☆ ...... وما رجاوک بعد الوالد الولدا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہیں تو وہ ایمان لے آتے ہیں۔لیکن مذاکرے،مناظرے،مجادلے،سیمینار،کانفرنس،ٹاک شوز،شوبزنس کے انداز واسلوب اختیار کرکے،تالیاں پیٹ کر اورواہ واہ کے نعرے لگوانے سے دین کی نصرت نہیں ہوتی۔کفار کو دین کی جانب راغب کرنے کے لیے سائنس کے ہتھیار سے وسیلے کا کام لینا احسن رویہ نہیں کفار مکہ یہی کہتے تھے کہ ہم تو بس بتوں کو اس لیے پوجتے ہیں کہ ہمیں اللہ سے قریب کردیں[الزمر:۱]عہد جدید کے مفکرین کا سائنس کے بارے میں کم وبیش یہی موقف ہے کہ ہم سائنس کو اس لیے پوجتے ہیں کہ اس کے ذریعے کفار کو اسلام سے قریب لے آئیں،جدیدیت پسندی کے شوق میں اور کفار کو مطمئن کرنے کے لیے ہمارے دانشور بعض عجیب دلائل قرآن سے نکال لاتے ہیں۔

معجزات موسیٰ سے جدیدیت پسندوں کا استدلال اور اس کی حقیقت:

حضرت موسیٰ نے جادوگروں کو اپنے عصاء اور ید بیضاء سے شکست دینے کے بعد کیا دنیا بھر میں جادو کے کمالات دکھانے والے ادارے قائم کیے؟ جہاں سے جادوگروں کو دعوت مبارزت دے کران کے جادو کا توڑ پیش کیا جاتا اور معجزے دکھا کر دین کی تبلیغ کا فریضہ انجام دیا جاتا تھا۔

ظاہر ہے ذاکر نائیک صاحب کے فلسفے کے تحت حضرت موسیٰ کو گلی گلی جادو توڑ مراکز قائم کرکے دنیا بھر میں حق کی اشاعت کرنی چاہیے تھی اور پوری دنیا کو اس کے ذریعے مسلمان کرلینا چاہیے تھا اسی فلسفے کے تحت وہ سائنس کے ذریعے عہد حاضر کے کفار کو دائرۂ اسلام میں داخل کرنا چاہتے ہیں۔

سائنس کے حامیوں کا ایک عام استدلال یہ بھی ہے کہ ہر نبی کو اس کے زمانے کے مطابق علم دیا جاتا ہے کیوں کہ حضرت موسیٰ کے زمانے میں مصر میں جادو کا بہت زور تھا لہٰذا انھیں جادو کا علم دیا گیا جس سے انھوں نے اپنے عہد کی علمیت کو شکست دے کر خدا کے وجود کا اعلان کیا،یہ کمزور دلیل دینے والے یہ نہیں بتا سکتے کہ حضرت موسیٰ نے جب جادوگروں کو شکست دے دی تو فرعون اور اس کی قوم حضرت موسیٰ پر ایمان کیوں نہیں لائی؟ صرف جادوگران فرعون نے ایمان کا اعلان کیوں کیا؟اور ان کے سوا پوری قوم مذہب فرعون پر کیوں قائم رہی؟ اور حضرت موسیٰ سے شکست کھانے کے بعد حق پر ایمان لانے کے بجائے حضرت موسیٰ کو قتل کرنے پر کیوں آمادہ ہوگئی؟ جادوگروں کو شکست جوابی جادو نے دی یا معجزے نے؟ حضرت موسیٰ کو صرف ید بیضاء اور عصا کا معجزہ دیا گیا تھا یا کچھ اور معجزے بھی ملے تھے قرآن کے مطابق اللہ تعالیٰ نے ان کو نو نشانیاں عطا کیں تھیں: وَ لَقَدْ اٰتَیْنَا مُوْسٰی تِسْعَ اٰیٰتٍۭ بَیِّنٰتٍ فَسْـَٔلْ بَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ اِذْ جَآءَهُمْ فَقَالَ لَهٗ فِرْعَوْنُ اِنِّیْ لَاَظُنُّكَ یٰمُوْسٰی مَسْحُوْرًا [۱۷:۱۰۱]جن میں ید بیضا اور عصا بھی شامل تھے۔

سوال یہ ہے کہ بقیہ سات نشانیوں یا معجزات کا قوم فرعون پر کیا اثر ہوا؟ کیا وہ تمام معجزات بھی جادو سے متعلق تھے؟ ظاہر ہے یہ بالکل غلط طرز استدلال ہے ان معجزات کی تفصیل سورۃ اعراف میں پڑھی جاسکتی ہے۔جادو حضرت موسیٰ کی قوم سے خاص نہیں جادو اور سحر کے کمالات دنیا کی ہر قوم میں موجود

از پدرش جہ خبر دارد ☆ ... کہ از پدرش بےخبر است؟

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

تھے۔ اور آج بھی دنیا کے اربوں لوگ جادو سے خوف زدہ ہو جاتے ہیں۔ امریکہ یورپ میں جادوگردں کو اہم سمجھا جاتا ہے اور انھیں غیر معمولی صلاحیتوں کا حامل تسلیم کیا جاتا ہے۔ جادوگر آج بھی حیران کن کمالات دکھاتے ہیں امریکہ کا ایک مشہور جادوگر جس نے مجسمہ آزادی کو ہزاروں لوگوں کے سامنے کئی منٹ تک کے لیے غائب کر دیا اور شدید سردی میں نقطہ انجماد کے باوجود کئی گھنٹے گرم لباس کے بغیر کھلی فضا میں کھڑا رہا۔

انبیاء پر کفار کا مشترکہ اعتراض: ساحر و مجنون:

قرآن حکیم بتاتا ہے کہ جب بھی کوئی پیغمبر اپنی قوم کے پاس آتا ہے تو کفار و مشرکین اسے ساحر، اس کے کلام کو جادو، اس کے علم کو جادوگری یا پیغمبر کو ساحر و مجنون قرار دیتے ہیں: كَذٰلِكَ مَآ اَتَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ مِّنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا قَالُوْا سَاحِرٌ اَوْ مَجْنُوْنٌ ...... اَتَوَاصَوْا بِهٖ بَلْ هُمْ قَوْمٌ طَاغُوْنَ [۵۱:۵۲تا۵۳] ترجمہ: یونہی ہوتا رہا ہے ان سے پہلے کی قوموں کے پاس بھی کوئی رسول ایسا نہیں آیا جسے انھوں نے یہ نہ کہا ہو کہ یہ ساحر ہے یا مجنون ہے۔ کیا ان سب نے آپس میں اس پر کوئی سمجھوتہ کر لیا ہے؟ نہیں بلکہ یہ سب سرکش لوگ ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب سے معجزے کی تمنا کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَ لَوْ نَزَّلْنَا عَلَيْكَ كِتٰبًا فِيْ قِرْطَاسٍ فَلَمَسُوْهُ بِاَيْدِيْهِمْ لَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِنْ هٰذَآ اِلَّا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ [۶:۷] ترجمہ: اگر ہم لکھی لکھائی کتاب اتار دیتے تب بھی کفار یہی کہتے کہ یہ سحر مبین ہے۔ قرآنی آیات میں جہاں جہاں سحر اور جادو کا ذکر ہے وہاں بیشتر آیات حضرت موسیٰ اور فرعون کی قوم سے متعلق ہیں اس لیے متجد دین کو یہ خلط مبحث ہوا کہ قوم فرعون کا اختصاص جادوگری تھا لہٰذا اسی علم سے اس کا ازالہ اور امالہ کیا گیا۔ اس محرف دلیل کو تخلیق کرنے کی ضرورت اس لیے بھی پیش آئی تاکہ مسلمانوں کو اس بات پر آمادہ کیا جا سکے کہ حضرت موسیٰ کے راستے پر چلو جس طرح انھوں نے اپنے دور میں اپنی قوم سے مقابلے کے لیے اس قوم کے علم سے مماثل مگر اعلیٰ ترین علمِ جادو حاصل کر کے اپنی قوم کو شکست دی بالکل اسی طرح تم بھی اپنے دشمن یعنی مغرب کے علم سائنس کے مقابلے میں اس سے اعلیٰ ترین علم سائنس حاصل کر کے اسے شکست دے سکتے ہو اگر تم یہ کام نہ کر سکے تو امت مسلمہ کو دنیا میں کبھی عروج نہیں مل سکتا اور زوال اس کا مقدر رہے گا۔ یہ دلیل دیتے ہوئے وہ امت کو قرآن کے بتائے ہوئے راستے سے منحرف کرنا چاہتے ہیں جو واضح کرتا ہے کہ انبیاء اپنے عہد میں اپنی دعوت اپنے منہاج علم کے مطابق دیتے ہیں کفار کے منہاج علم سے مشترکہ منہاج تلاش کر کے دعوت نہیں دیتے اسی لیے قوم موسیٰ کو یہ حکم نہیں دیا گیا کہ تم تعلیم بالغان کے مراکز قائم کرو اور فرعونی سائنس و ٹیکنالوجی میں کمال حاصل کر کے اس کا مقابلہ کرو بلکہ ان کو حکم دیا گیا کہ تم نے صلوٰۃ کا نظام ترک کر دیا ہے، لہٰذا سب سے پہلے نظام صلوٰۃ قائم کرو: وَ اَوْحَيْنَآ اِلٰى مُوْسٰى وَ اَخِيْهِ اَنْ تَبَوَّاٰ لِقَوْمِكُمَا بِمِصْرَ بُيُوْتًا وَّ اجْعَلُوْا بُيُوْتَكُمْ قِبْلَةً وَّ اَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَ بَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ [۱۰:۸۷] کہ نماز مومن کی معراج ہے، یہی دین کا ستون ہے، جب دین کا ستون باقی نہ رہے تو امت کیسے باقی رہ سکتی ہے؟ اور اگر رہے گی تو حالت غلامی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

میں رہے گی جیسا کہ بنی اسرائیل کا حال تھا۔ جوامت اپنی عبادت گاہوں کو فراموش کردے جہاں خدا کا نام لیا جاتا ہے اور عبادت ترک کرے وہ امت غلام نہ بنے تو اور کیا کرے، جو امت اللہ کی غلامی سے نکل جاتی ہے اسے غلام بنانے کے لیے دنیا کی ساری قومیں لاؤلشکر لے کر چڑھ دوڑتی ہیں۔ امت مسلمہ کا حال بنی اسرائیل سے کچھ بہتر اس لیے ہے کہ اس کی عبادت گاہیں ابھی موجود ہیں اور اللہ تعالیٰ کی عبادت ظاہری کا عمل جاری وساری ہے مگر عبادت واطاعت قلبی کے خاتمے کے باعث یہ امت دربدر ٹھوکریں کھا رہی ہے۔

قرآن سے معلوم ہوتا ہے کہ صرف حضرت موسیٰ کو جادوگر کا خطاب نہیں ملا ہر پیغمبر، رسول اور نبی کے ساتھ یہی صورت حال رہی، حضرت صالحؑ کو بھی ان کی قوم نے جادوگر قرار دیا: قَالُوْٓا اِنَّمَآ اَنْتَ مِنَ الْمُسَحَّرِيْنَ [۲۶:۱۵۳] حضرت شعیبؑ کو بھی یہی الزام دیا گیا: قَالُوْٓا اِنَّمَآ اَنْتَ مِنَ الْمُسَحَّرِيْنَ [۲۶:۱۸۵]۔ حضرت سلیمانؑ کے زمانے میں بھی جادوگری کا بہت چرچا تھا: وَ اتَّبَعُوْا مَا تَتْلُوا الشَّيٰطِيْنُ عَلٰى مُلْكِ سُلَيْمٰنَ وَ مَا كَفَرَ سُلَيْمٰنُ وَ لٰكِنَّ الشَّيٰطِيْنَ كَفَرُوْا يُعَلِّمُوْنَ النَّاسَ السِّحْرَ وَ مَآ اُنْزِلَ عَلَى الْمَلَكَيْنِ بِبَابِلَ هَارُوْتَ وَ مَارُوْتَ وَ مَا يُعَلِّمٰنِ مِنْ اَحَدٍ حَتّٰى يَقُوْلَآ اِنَّمَا نَحْنُ فِتْنَةٌ فَلَا تَكْفُرْ فَيَتَعَلَّمُوْنَ مِنْهُمَا مَا يُفَرِّقُوْنَ بِهٖ بَيْنَ الْمَرْءِ وَ زَوْجِهٖ وَ مَا هُمْ بِضَآرِّيْنَ بِهٖ مِنْ اَحَدٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ وَ يَتَعَلَّمُوْنَ مَا يَضُرُّهُمْ وَ لَا يَنْفَعُهُمْ وَ لَقَدْ عَلِمُوْا لَمَنِ اشْتَرٰىهُ مَا لَهٗ فِي الْاٰخِرَةِ مِنْ خَلَاقٍ وَ لَبِئْسَ مَا شَرَوْا بِهٖٓ اَنْفُسَهُمْ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ [۲:۱۰۲] لوگ دوسرے کی بیوی کو جادو سے الگ کر کے شادی کر لیتے تھے، حضرت موسیٰ اور ان کی قوم بھی جادوگری اور سحرکاری کے مخمصے میں گرفتار تھی اس کی تفصیل قرآن مجید میں درج ذیل آیات میں بیان ہوئی ہے۔ ۷:۱۱۶، ۵:۱۱۰، ۱۰:۷۶،۷۷، ۱۰:۷۷،۷۹،۸۰،۸۱، ۲۰:۵۸،۶۳،۶۹، ۲۰:۶۳، ۷۱،۷۳، ۲۶:۳۷،۳۸،۴۰،۴۱،۴۶،۴۹، ۲۷:۱۳، ۲۸:۳۶، ۲۰:۵۷،۷۰، ۲۶:۳۵،۴۰، ۲۰:۶۳،۶۶، ۷:۱۰۹،۱۱۲،۱۱۳،۱۲۰، ۴۰:۲۴، ۴۹: ۵۱:۳۹، ۲۶:۳۷،۴۱،۴۶،۵۳، ۷:۱۳۲

کفار مکہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کو ساحر اور مجنون کہتے تھے، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں [اے محمدؐ!] اگر ہم اُن پر آسمان کا دروازہ کھول دیں اور وہ دن دہاڑے اس میں چڑھنے لگیں تب بھی وہ یہی کہتے کہ ہماری آنکھوں کو دھوکہ ہو رہا ہے، بلکہ ہم پر جادو کر دیا گیا ہے: وَ لَوْ فَتَحْنَا عَلَيْهِمْ بَابًا مِّنَ السَّمَآءِ فَظَلُّوْا فِيْهِ يَعْرُجُوْنَ...... لَقَالُوْٓا اِنَّمَا سُكِّرَتْ اَبْصَارُنَا بَلْ نَحْنُ قَوْمٌ مَّسْحُوْرُوْنَ [۱۵:۱۴،۱۵] یہ ظالم آپس میں کہتے ہیں کہ یہ [محمدؐ] تو ایک سحرزدہ آدمی ہے جس کے پیچھے تم جا رہے ہو: نَحْنُ اَعْلَمُ بِمَا يَسْتَمِعُوْنَ بِهٖٓ اِذْ يَسْتَمِعُوْنَ اِلَيْكَ وَ اِذْ هُمْ نَجْوٰٓى اِذْ يَقُوْلُ الظّٰلِمُوْنَ اِنْ تَتَّبِعُوْنَ اِلَّا رَجُلًا مَّسْحُوْرًا [۱۷:۴۷] یہ ظالم کہتے ہیں تم لوگ تو ایک سحرزدہ آدمی کے پیچھے لگ گئے ہو: اَوْ يُلْقٰٓى اِلَيْهِ كَنْزٌ اَوْ تَكُوْنُ لَهٗ جَنَّةٌ يَّاْكُلُ مِنْهَا وَ قَالَ الظّٰلِمُوْنَ اِنْ تَتَّبِعُوْنَ اِلَّا رَجُلًا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مَّسْحُوْرًا [۸:۲۵] اے پیغمبرؐ! اگر تمھارے اوپر کوئی کاغذ میں لکھی لکھائی کتاب بھی اتار دیتے اور لوگ اسے اپنے ہاتھوں سے چھوکر بھی دیکھ لیتے تب بھی جنھوں نے حق کا انکار کیا ہے وہ یہی کہیں گے کہ یہ تو صریح جادو ہے: وَ لَوْ نَزَّلْنَا عَلَيْكَ كِتٰبًا فِىْ قِرْطَاسٍ فَلَمَسُوْهُ بِاَيْدِيْهِمْ لَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِنْ هٰذَآ اِلَّا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ [۶:۷] اب اگر اے نبیؐ! آپ کہتے ہیں کہ لوگو مرنے کے بعد تم دوبارہ اٹھائے جاؤ گے تو منکرین فوراً بول اٹھتے ہیں کہ یہ تو صریح جادوگری ہے: وَ هُوَ الَّذِىْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ فِىْ سِتَّةِ اَيَّامٍ وَّ كَانَ عَرْشُهٗ عَلَى الْمَآءِ لِيَبْلُوَكُمْ اَيُّكُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا ۚ وَ لَئِنْ قُلْتَ اِنَّكُمْ مَّبْعُوْثُوْنَ مِنْۢ بَعْدِ الْمَوْتِ لَيَقُوْلَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِنْ هٰذَآ اِلَّا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ [۱۱:۷] اور ظالم آپس میں سرگوشیاں کرتے ہیں کہ یہ شخص آخر تم جیسا ایک بشر ہی تو ہے پھر کیا تم آنکھوں دیکھے جادو کے پھندے میں پھنس جاؤ گے: لَاهِيَةً قُلُوْبُهُمْ وَ اَسَرُّوا النَّجْوَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا هَلْ هٰذَآ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ اَفَتَاْتُوْنَ السِّحْرَ وَ اَنْتُمْ تُبْصِرُوْنَ [۲۱:۳] ان کافروں کے سامنے جب حق آیا [حضورؐ معہ الکتاب] تو انھوں نے کہہ دیا کہ یہ تو صریح جادو ہے: وَ اِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيٰتُنَا بَيِّنٰتٍ قَالُوْا مَا هٰذَآ اِلَّا رَجُلٌ يُّرِيْدُ اَنْ يَّصُدَّكُمْ عَمَّا كَانَ يَعْبُدُ اٰبَآؤُكُمْ وَ قَالُوْا مَا هٰذَآ اِلَّآ اِفْكٌ مُّفْتَرًى وَ قَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِلْحَقِّ لَمَّا جَآءَهُمْ اِنْ هٰذَآ اِلَّا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ [۳۴:۴۳] کوئی نشانی دیکھتے ہیں تو ٹھٹھوں میں اڑاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ تو صریح جادو ہے: وَقَالُوْٓا اِنْ هٰذَآ اِلَّا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ [۳۷:۱۵] مگر جب وہ حق [القرآن] ان کے پاس آیا تو انھوں نے کہہ دیا کہ یہ تو جادو ہے اور ہم اس کو ماننے سے انکار کرتے ہیں: وَلَمَّا جَآءَهُمُ الْحَقُّ قَالُوْا هٰذَا سِحْرٌ وَّاِنَّا بِهٖ كٰفِرُوْنَ [۴۳:۳۰] ان کو جب ہماری صاف صاف آیات سنائی جاتی ہیں اور حق ان کے سامنے آجاتا ہے تو یہ کافر لوگ اس کے متعلق کہتے ہیں کہ یہ تو کھلا جادو ہے: وَاِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيٰتُنَا بَيِّنٰتٍ قَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِلْحَقِّ لَمَّا جَآءَهُمْ هٰذَا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ [۴۶:۷] قیامت کی گھڑی قریب آگئی اور چاند پھٹ گیا مگر ان لوگوں کا حال یہ ہے کہ خواہ کوئی نشانی دیکھ لیں منہ موڑ جاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ تو چلتا ہوا جادو ہے: اِقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ وَانْشَقَّ الْقَمَرُ ...... وَاِنْ يَّرَوْا اٰيَةً يُّعْرِضُوْا وَيَقُوْلُوْا سِحْرٌ مُّسْتَمِرٌّ [۵۴:۱،۲] [ولید بن مغیرہ] آخرکار بولا کہ یہ کچھ نہیں ہے مگر ایک جادو [قرآن] جو پہلے سے چلا آرہا ہے۔ [۷۴:۲۴] منکرین کہنے لگے کہ یہ [محمد] ساحر ہے: وَعَجِبُوْٓا اَنْ جَآءَهُمْ مُّنْذِرٌ مِّنْهُمْ وَقَالَ الْكٰفِرُوْنَ هٰذَا سٰحِرٌ كَذَّابٌ [۳۸:۴] [کفار مکہ نے کہا] دونوں جادو ہیں [تورات اور قرآن] جو ایک دوسرے کی مدد کرتے ہیں: فَلَمَّا جَآءَهُمُ الْحَقُّ مِنْ عِنْدِنَا قَالُوْا لَوْلَآ اُوْتِىَ مِثْلَ مَآ اُوْتِىَ مُوْسٰى اَوَ لَمْ يَكْفُرُوْا بِمَآ اُوْتِىَ مُوْسٰى مِنْ قَبْلُ قَالُوْا سِحْرٰنِ تَظٰهَرَا وَ قَالُوْٓا اِنَّا بِكُلٍّ كٰفِرُوْنَ [۲۸:۴۸] اس پر منکرین نے کہا کہ یہ شخص [محمدؐ] تو کھلا جادوگر ہے۔

ان آیات سے معلوم ہوا کہ جادوگری کا علم ہر قوم میں موجود رہا ہے لہٰذا ہر قوم اپنے انبیاء کا

آنچہ زخم زبان کند با مرد...... ☆ ......زخم شمشیر جان ستان نکند

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

انکار کرنے کے لیے ان پر جادوگری کا الزام عائد کر کے ان کی نبوت سے منکر ہوگئی، یہ معاملہ صرف حضرت موسیٰ کے ساتھ خاص نہیں ہے بلکہ رسالت مآب کو بھی انہی الزامات کا سامنا کرنا پڑا یہ تمام کفار، تمام منکرین حق اور اقوامِ عالم کے تمام اشرار کا اجتماعی تاریخی رویہ ہے جو قرآن سے ثابت ہے، اسی لیے قرآن نے کہا ''کیا ان سب نے آپس میں اس پر کوئی سمجھوتہ کر لیا ہے: كَذٰلِكَ مَآ اَتَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ مِّنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا قَالُوْا سَاحِرٌ اَوْ مَجْنُوْنٌ ...... اَتَوَاصَوْا بِهٖ بَلْ هُمْ قَوْمٌ طَاغُوْنَ [۵۱:۵۲-۵۳] قرآن کے ان نصوص کی روشنی میں حضرت موسیٰ سے متعلق اس استدلال کی حقیقت بالکل غلط ثابت ہوتی ہے کہ جادو اس زمانے کا غالب علم تھا۔

(جاری ہے)

اسلام اور سائنس کے حوالہ سے ایک نئی کتاب

☆

ڈاکٹر ذاکر نائک کے خطبات ومناظروں کی روشنی میں

اسلام اور جدید سائنس نئے تناظر میں

جناب محمد ظفر اقبال صاحب کے قلم سے

ناشر ادارہ نوادرات ۲۳۲ فتح شیر کالونی نزد ایوب مسجد مین مارکیٹ ساہیوال

ملنے کا پتہ: فضلی سنز اردو بازار کراچی۔ دارالکتاب کتاب مارکیٹ اردو بازار لاہور

E.Mail: nawadraat8@gmail.com

اپنے پیاروں کو عالم بناؤ .... اپنا پیارا ملک بچاؤ

بغیر علم کے اللہ کی معرفت حاصل نہیں ہوسکتی .... دنیاوی علم اللہ کی معرفت عطا نہیں کرتا

یہ دینی علم ہی کی شان ہے کہ وہ اللہ سے ملاتا ہے .... دنیاوی علم محض وسیلۂ روزگار ہے۔

علماء کی قدر کیجیے .... عالم بنئے .... جاہل رہنے پر قناعت مت کیجیے۔

تحریکِ فروغِ علم

الجواب اللین یصرف الغضب ☆ زبانِ خوش، مار را از سوراخش بیرون می کشد

© rasailojaraid.com